

بصیرت

حصہ دوم



ناشر
مکتبہ رضوی
لاہور

مَدَامَا بَعَثْنَا إِلَيْنَايَا وَهَدَّيَا وَرَحِمْنَا لِقَوْمٍ يَتُوبُونَ ﴿١٠﴾



حصہ دوم

علامہ سید محمود احمد رضوی ندیر رضوان کے تحریر کردہ
مذہبی-اخلاقی-اصلاحی-فقہی-تفسیری
مضامین کا قابل مطالعہ مجسمہ



گنج بخش روڈ لاہور

فہرست مضامین بصیرت حصہ دوم

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۱	نکاح و طلاق کے اہم مسائل	۱	ٹائٹل ————— "بصیرت"
۵۱	عورت کو طلاق کا حق	۲	فہرس
۵۳	یورپ میں طلاق کا مسئلہ	۴	شرعیات اسلامیہ کا نفاذ
۵۵	تفویض طلاق	۹	لمحات فکر
۵۶	طلاق کی صورتیں	۱۳	حاضر جوابی
۵۹	عدت - عمر	۱۵	سوال و
۶۰	طلاق ثلاثہ	۱۴	جواب
۶۳	تعدد ازدواج	۱۶	شافع شہ ابراہیم
۶۴	عدل	۱۹	مسند شفاعت پر بحث
۶۵	تجسس عیوب	۲۵	اسلام میں سنت رسول کا مقام
۶۷	غیبت کی ممانعت	۲۷	معلم کتاب
۶۸	نماز عبادت کا گوہر شاد	۲۹	تعلیم حکمت
۶۹	نماز کے برکات	۳۰	رسول کی تشریحی حیثیت
۷۰	فرائض نماز	۳۵	وحی متلو وغیر متلو
۷۱	واجبات نماز	۳۷	صحابہ کرام کا سنت رسول سے
۷۲	ذکر و فکر	۴۰	استدلال و امتثال
۷۳		۴۲	قصیدہ بروہ شریف

سود کی قسمیں	۸۱	محبوب الہی
قرآن و حدیث میں سودی لین دین	"	دیانت کا معیار
۱۱۲ کی ممانعت اور اس پر وعید	۸۲	ظالم کا حشر
۱۱۳ سود کی ممانعت کے متعلق حضو کا خطبہ	۸۵	گناہوں کا علاج
۱۱۴ فرعون و کلیم	"	بدعت
۱۱۴ واقعہ پیدائش حضرت موسیٰ اور	۸۷	مہر کیا ایک فضول رسم ہے
۱۲۵ سندھون سے مقابلہ	۸۸	مہر شرعی کی مقدار
۱۲۴ صدقات و خیرات	۸۹	مہر کی قسمیں
۱۲۷ صدقات و خیرات کے احکام	۹۰	مہر کے احکام
۱۲۸ مسائل آداب اور شرائط	۹۱	مہر مثل
۱۲۵ مسائل عید الفطر	۹۲	مہر کی ادائیگی
۱۲۶ سفیر رسول حضرت عثمان	۹۳	حج ایک عظیم عبادت
محمد ابن عبدالوہاب نجدی	۹۳	فضائل حج
۱۵۰ اور علامہ شامی	۹۴	روزہ اقدس کی زیارت
بعض اہم سوالات کے	۹۵	حج بدل کے مسائل
جوابات - سود، کوآ،	۹۶	ماہ حرم کے احکام
قسم کا کفارہ، زکوٰۃ	۹۷	بیع و شرا کے احکام
۱۵۲ ذات بدلنا -	۹۷	سود کی تعریف
۱۵۴ بدیلوی حضرات سے؟		سود کی قسمیں

شریعتِ اسلامیہ کا نفاذ؟

بھٹو دور کے انتخابات اور تحریک نظامِ مصطفیٰ علیہ السلام کے منظر اور پس منظر پر اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت بغیر کسی ابہام کے سامنے آتی ہے۔ وہ صرف اور صرف یہ ہے کہ اس ملک کا ہر مسلمان خواہ وہ دنیاداری کے اعلیٰ درجہ پر ہو یا دینی پر بہر حال وہ بہر صورت اسلامی نظام کے سوا کسی اذم کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے اور یہ کہ پاکستان میں عوام کی محبوب و مطلوب اور مستحکم حکومت وہی ہو سکتی ہے اور ہوگی۔ جو خلیفہ، بہانے اور تاویلات فاسدہ سے اپنے دامن کو بچا کر محض رضاء الہی کے لئے خلوص قلب کے ساتھ اس خطہ پاک میں شریعتِ اسلامیہ کو نافذ و جاری کر دے۔

مسئلہ اسلام کو پسند کرنے۔ اسلام کی خدمت کرنے کا دعویٰ کرنے یا قوم مسلم کے جذبات کو وقتی طور پر سکین پہنچانے کے لئے اسلامی نظام کے نام لینے کا نہیں ہے۔ بلکہ عملی طور پر نظامِ اسلامیہ کو نافذ و جاری کر دینے کا ہے۔ پاکستان کے مسلمان صرف یہ چاہتے ہیں کہ یہ خطہ جس مقصد کے لئے حاصل کیا گیا تھا۔ وہ مقصد پورا ہونا چاہتے جو حکومت بھی اس مقصد کو پورا کرے گی۔ اور مسلمانوں کو اپنی آنکھوں سے اس حکومت کے عمل و کردار سے اسلامی قانون نافذ و جاری ہوتا نظر آئے گا۔ وہی حکومت بلاشبہ عوام و خواص کی مقبول و محبوب اور مضبوط و مستحکم حکومت قرار پائے گی۔ ظاہر ہے کہ ملک کی سرسبزی و شادابی کا باعث ایک مستحکم حکومت ہی ہو سکتی ہے۔ کمزور اور غیر مقبول حکومت کی ساری قوتیں اور صلاحیتیں اپنے اقتدار کی حفاظت

میں صرف ہو جاتی ہیں۔ اور ملک و قوم کی فلاح و بہبود کا کام تقریباً معطل ہو جاتا ہے۔ ہمارا ملک اس وقت جس نازک اور خطرناک بحران سے دوچار ہے۔ اس کا واحد حل صرف یہ ہی ہے کہ یہاں اسلامی شریعت کو عملی طور پر نافذ و جاری کر دیا جائے۔

محض ایک لیبل تھا؟ سرزمینِ پاک میں نظامِ مصطفیٰ علیہ السلام کے عملی نفاذ کے لیے پاکستان کے عوام و خواص نے خلوصِ قلب کے ساتھ بے مثال قربانیاں دیں حتیٰ کہ جان عزیز تک کو اس راہ میں نثار کر دیا۔ مگر اب کچھ لوگ یہ کہہ رہے ہیں۔ تحریکِ نظامِ مصطفیٰ، بھٹو حکومت کے خاتمہ کے لیے تھی اور یہ مقصد حاصل ہو گیا ہے؟ تو کیا یہ سمجھا جائے نظامِ مصطفیٰ علیہ السلام کا نعرہ محض ایک لیبل تھا۔ اس مقدس نعرہ کے پردہ میں نیت صرف یہ تھی کہ اقتدار اور حکومت مل جائے اور بس۔ اگر کچھ لوگوں کا ایسا خیال ہے تو انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ نظامِ مصطفیٰ علیہ السلام کے نعرہ سے بغاوت اور فریب انہیں دین و دنیا میں ذلیل و رسوا کر دے گا۔ ایسے لوگ کبھی اپنے مقصد بد میں کامیاب نہیں ہوں گے۔ جو کوئی بھی اسلام سے منافقت کا برتاؤ کرے گا اور اس مقدس دین کو محض لیبل کے طور پر استعمال کر کے اپنی خواہش نفس کے لیے راہ ہموار کرنے کی کوشش کرے گا۔ دولت و رسوائی کے سوا اسے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ یہ اللہ رب العزت جل مجدہ کی سنت ہے اور اس کی سنت میں تبدیلی نہیں ہوا کرتی۔

اسلام نے ہر مسلمان کا یہ مذہبی دینی اخلاقی فرض قرار دیا ہے کہ وہ ہر دور میں اور ہر حال میں خلوص کے ساتھ محض رضا الہی و رضا رسول کے لئے حتیٰ المقدور حق کی حمایت کے لئے سینہ سپر رہے نیکی کی حمایت اور باطل کی سرکوبی کے لئے اپنی تمام فرائض، فکری، جانی اور مالی قوتوں کو صرف کرتا رہے۔ حضور امام الانبیاء والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں ہدایت فرمائی کہ جب قرآن و سنت اور شریعت اسلامیہ کے خلاف کوئی بات دیکھو تو اسے

اپنے ہاتھ سے مٹا دو۔ اگر ہاتھ سے مٹانے کی قوت نہ ہو تو پھر زبان سے جہاد کر کے باطل کے تار پھیر
 دو اور عوام تک حق کی آواز پوری دیانت داری اور خدا خوفی کے ساتھ پہنچا دو اور اس سلسلہ میں کسی
 قسم کی کوتاہی سے کام نہ لو اور اگر زبان سے صحیح بات کہنے میں ظلم و جور کاوٹ بن جائے تو پھر دل
 سے باطل کو برا جانو۔ یہ آخری درجہ ضعیف الایمان افراد کے لئے ہے کہ کسی بری بات کو صرف دل سے
 برا جانا جائے ورنہ عزیمت یہ ہی ہے۔ حق کی حمایت و اشاعت کی راہ میں باطل کی چٹانوں سے
 ٹکرا جاؤ۔ حتیٰ کہ اپنی جان عزیز کا نذرانہ پیش کرنے کی ضرورت آجائے۔ تو اسے بھی اللہ تعالیٰ اور اس
 کے مقدس رسول صلی اللہ علیہ السلام کے دین کی حمایت اور اللہ کی زمین پر اللہ تعالیٰ کے قانون
 کو نافذ و جاری کرنے کی جدوجہد میں صرف کر دو۔

تجلی حق جسے ذرا بھی نواز دے تو اس میں محبوبیت کا جو ہر پیدا ہو جاتا ہے۔ جناب
 یوسف علیہ السلام کی ذات اللہ تعالیٰ کی ایک آسان سی تجلی کے شرف سے مشرف ہوئی تو ماہ
 جبینان مصر نے حسن یوسفی کی تاب نہ لا کر اپنی انگلیاں کاٹ لیں۔ لیکن جس ہستی مقدس
 کو رب العلین اپنی ذات و صفات کا مظہر کامل ہونے کا شرف عطا فرما دے اور اس کی ذات
 تجلی حق کی کامل و مکمل جلوہ گاہ بن جائے تو ایسی ہستی محبوب مطلق اور مطلوب کل کے درجہ پر فائز
 ہو جاتی ہے اور پھر اس کے جمال و جلال کی غفلت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ وہ بیک وقت خالق
 حسن و جمال کا محبوب اور ساری خدائی کا مطلوب بن جاتا ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ حسن یوسفی پر
 انگلیاں کٹیں اور حسن محمدی پر سرکٹ گئے۔ جان و دل قربان ہو گئے۔

حسن یوسف پر کٹیں مصر میں انگشت زمان
 سرکٹاتے ہیں تیرے نام پر مردان عرب

اب تاریخ کے اوراق سامنے لائیے۔ دیکھئے لاکھوں کروڑوں مسلمان عشق و محبت
 رسول میں غمخور و بے خود ہیں۔ سینکڑوں مسلمان اپنی عزیز جانوں کو نثار کر چکے ہیں۔ یہ جاننا

حصولِ مملکت و دولت کے لئے منہیں بلکہ اللہ کی زمین پر اللہ کے دینِ نظامِ مصطفیٰ علیہ التمجید
والثناء کے قیام کے لئے ہے۔ فرزندِ انِ اسلام کو نظامِ مصطفیٰ میں اللہ کے محبوب اور سب
کے مطلوب حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیکرِ حسین بے حجاب و بے نقاب نظر آ رہا ہے
۔ جمالِ رسولِ نظامِ مصطفیٰ کے رنگ میں اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ جلوہ ریز ہے۔ پروانے
آ رہے ہیں۔ اور یہ کہہ کر

وہ حسن مرے پیش نظر ہے جسے اگر
جلوے بھی دیکھ لیں تو طوافِ نظر کریں

پروانہ وار اپنی جانیں نثار کر رہے ہیں اور جنت میں حوروں نے ان عاشقانِ رسول کی
انتظار میں اپنی آنکھیں سچا رکھی ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ خلوص و محبت کے ساتھ کسی ظالم،
جابر بے غیرت، بے حیا، عیاش، فاسق فاجر، زانی شرابی بے مروت، دھوکہ باز کی حمایت آج
تک کسی نے نہ کی اور اس کی حمایت میں جان دی ہے۔ اگر ساتھ دیا بھی ہے تو عہدہ منصب
اور دولت و زارت کے لالچ میں ہی دیا ہے، یزید کے حمایتیوں میں ایک بھی یزید سے محبت
و عقیدت منہیں رکھتا تھا۔ سب کے سب دولت اور عہدہ کے بھوکے تھے اور اپنی خواہشات
نفسانیہ کی تکمیل کی امید میں امامِ برحق، آفتابِ عزیت، پیکرِ حریت سیدنا امام حسین علیہ السلام
کی ذاتِ اقدس پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ رہے تھے۔ مگر دوسری طرف امام حسین علیہ السلام کے
ساتھ جو نفوسِ قدسیہ میدان میں آئے۔ وہ سب کے سب مخلص، عقیدت مند امام کے شیدائی
و فدائی تھے۔ ان کے قلب میں عشقِ امامِ عظمتِ امام، احترامِ امام کے سوا کوئی جذبہ نہ تھا۔
یہ ہی وجہ ہے۔ یزید اور اس کے ساتھی کتنے کی موت مر گئے۔ ان کا نام و نشان مٹ گیا اور
آج بھی کوئی مسلمان بغیر موتِ یزید کا نام لیتا ہے تو نفرت و حقارت کے ساتھ — اس کے
برعکس سیدنا امام حسین علیہ السلام کا نام اقدس عزت و احترام سے لیا جاتا ہے۔ ان کے اور ان
مقدس ساتھیوں کے ذکر سے قلبِ مسلم نورِ ایمان کی دولت پاتے ہیں اور بکھنور امام آج بھی مسلمان
اپنے سر کو عقیدت و احترام کے ساتھ جھکانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ یہ ہے وہ فرق و امتیاز جو
حق والوں اور حق کا ساتھ دینے والوں اور باطل والوں اور باطل کا ساتھ دینے والوں میں ہے۔

یہ حقیقت نہ صرف تاریخ کے صفحات پر بلکہ ہر قلبِ مسلم میں ثبت ہو جاتی ہے اگر کوئی ظالم جابرینہ کے انجام سے عبرت نہ حاصل کرے تو یہ اس کی کور باطنی اور ضمیر کے مردہ ہونے کی دلیل ہے۔

عبث تیس سال کے طویل عرصہ میں چشمِ تحیر نے کیا کیا نقشے ابھرتے بنتے اور بگڑتے دیکھے اس طویل دور میں یہ ہی ہوا اور شاید ایسا ہی ہوتا رہے۔ وقت کی گردش کبھی تمام نہیں ہوتی۔ ہستی آنکھ کو رونا پڑتا ہے اور مسکراتے ہونٹوں سے تبسم چھن جاتا ہے۔ شاخِ گل سے خون ٹپکتا ہے، تریاقِ زہر بن جاتا ہے، نشیب و فراز، کمال و زوال کے مناظر بہر حال بہر صورت ہم روز دیکھتے ہیں۔ ان کی نوعیت و کیفیت اور اسباب و علل سے بھی واقف ہو جاتے ہیں۔ مگر عبث حاصل نہیں کرتے۔

تکبر غرور غرور حسن و جمال کا ہو فضل و کمال کا ہو۔ علم و حکمت کا ہو۔ حکومت و ریاست کا ہو۔ دولت و ثروت کا ہو، اس کسی کو آیا ہے؟ تم کو وہ علم ہو۔ فضل و شرف کا فریہ اور شہرت و شوکت کا گنجینہ ہو۔ ہو تو سب کچھ۔ مگر کچھ بھی نہیں۔ جلال و جمال، عظمت و کبریائی۔ تکبر اور بڑائی۔ تو وصف ایک ذاتِ مقدس کو سزاوار ہے۔ جو رب العلیین ہے۔ رحمن و رحیم بے نیاز، کارِ خالق و مالک اور رازقِ کائنات ہے۔ کائنات کی وسعتوں میں اس کے حکم کے بغیر ایک تنکا بھی پر نہیں مار سکتا۔ بسنے کی خوبی اور عظمت تو صرف عجز و انکساری میں ہے۔ عبادت کا تقاضا ہی یہ ہے کہ ہر لمحہ ہر آن ربِ کائنات کے حضور اپنی عبادتِ تذلّل کا اعتراف و اقرار کرتا رہے اور کسی کو اپنے سے کم تر نہ خیال کرے۔

زاہد نگاہ کم سے کسی رند کو نہ دیکھ
کیا جانے اس کریم کو تو ہے کہ وہ پسند

لمحات فکر

نظام مصطفیٰ علیہ التھیۃ والنسأ | یہ بات باعثِ مسرت بھی ہے اور تحریکِ نظامِ مصطفیٰ علیہ السلام کی مقبولیت کی دلیل بھی ہے کہ اخبار و رسائل میں اس موضوع پر مضامین کا سلسلہ جاری ہے اور اسلام کے معاشی نظام اور عدلیہ اور حدود و تعزیرات ایسے امور پر بحث آ رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ نظامِ مصطفیٰ پر نقد و نظر کے لئے دین کا کامل و مکمل علم ضروری ہے۔ کچھ حضرات اس سلسلہ میں ایسی باتیں لکھ رہے ہیں۔ جو دلائل شرعی کی روشنی میں درست نہیں نوائے وقت میں زکوٰۃ سے متعلق ایک فاضل قانون دان کا مضمون شائع ہوا تھا۔ جس میں انہوں نے زمین پر کتنی مکان غرضیکہ ہر چیز میں زکوٰۃ کو لازم و واجب قرار دیا تھا۔ یہ صورت حال ایسی ہے جو عوام میں غلط فہمیاں پیدا کر سکتی ہے۔ اس کے تدارک کی طرف توجہ دینا نہایت ضروری ہے۔ ہماری رائے یہ ہے کہ نظامِ مصطفیٰ علیہ التھیۃ والنسأ کی علمبردار جماعتیں۔ مرجع فتاویٰ علماء اور اسلامی ذہن رکھنے والے دانش ور و ماہرین قانون پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر کر دیں۔ اس کمیٹی کو اس سلسلہ کی تمام ضرورتیں مہیا کر دی جائیں۔ یہ کمیٹی اس سلسلہ میں شائع ہونے والے مضامین کا تجزیہ کرے اور کتاب و سنت و اجماع امت کی روشنی میں مسائل کی صحیح و درست حیثیت متفقہ طور پر متعین کر کے اس کی اشاعت عام کا انتظام کرے۔ اگر ایسا کر دیا گیا تو نظامِ مصطفیٰ علیہ السلام کے صحیح خدوخال عوام کے سامنے آجائیں گے اور عوام غلط فہمی کا شکار نہ ہوں گے۔

بھاری بھر کم مہر | جناب اش صاحب نے روزنامہ نوائے وقت لاہور مجلہ ۲۳، اکتوبر میں مہر کے متعلق ذیل کے امور کی نشاندہی کی ہے۔ مہر شادی بیاہ کے مسرفانہ رسم و رواج کی طرح ہے۔ بھاری بھر کم مہر کا مطالبہ کوئی اخلاقی و

شرعی جواز نہیں رکھتا۔ شریعت کے تقاضوں نے لوگوں نے من مانی کر کے توڑ مروڑ کر مہر کی صورت کو منسوخ کر دیا ہے۔ یہ تمام باتیں ارشاد صاحب نے ایک ہی سانس میں نکھڑی ہیں اور اپنے ان دعوؤں کی ثبوت میں نہ کوئی آیت لکھی ہے نہ حدیث جو ان کے مزاج میں آیا ہے تحریر کر دیا ہے۔ انہوں نے یہ عجیب و غریب بات بھی لکھی ہے کہ اسلام نے مہر کی ادائیگی کو لازم رکھا ہے جس کے بغیر کوئی شادی جائز نہیں۔ اتنی بات تو ٹھیک ہے کہ اسلام نے بہر حال مہر کی ادائیگی کو لازم و واجب قرار دیا ہے۔ مگر شادی جائز نہیں۔ یہ نامعلوم کون سے اسلام کا ضابطہ ہے۔ اصل مسئلہ تو صرف یہ ہے کہ اگر بوقت نکاح مہر کی بالکل نفی کر دی جائے تو بھی نکاح جائز ہے اور مہر لازم۔ مہر کا نکاح کے جواز و عدم جواز سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ارشاد صاحب نے لکھا ہے کہ مہر برائی کی صورت اس وقت اختیار کرتا ہے جب بھاری بھر کم مہر کا تقاضا کیا جائے۔ لیکن سوال یہ ہے اسے برائی کی شکل قرار دینا کیوں صحیح ہے ایک عورت سے آپ نکاح کرنا چاہتے ہیں وہ کہتی ہے میں راضی ہوں مگر مہر ایک لاکھ روپیہ ہوگا۔ اس مطالبہ و تقاضہ میں کیا کسی سلیم العقل کو خرابی نظر آتی ہے۔ خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ قرآن مجید میں قنطار اکا ارشاد موجود ہے اور یہ تو مرضی کا سودا ہے اگر ایک لاکھ مہر کا مطالبہ کرنے والی عورت کی بات منظور نہیں تو جو کم مہر پر راضی ہے۔ اس سے نکاح کر لو۔

لیکن ارشاد صاحب یہ چاہتے ہیں کہ جیسے جہیز کی مقدار پر پابندی ہوگی ویسی گئی ہے۔ اسی طرح مہر کی مقدار پر بھی پابندی عائد کر دی جائے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ عورت کو حقوق انسانیت سے بھی محروم کر دیا جائے اور جس عورت سے نکاح کرنا ہو۔ وہ اگر بھاری بھر کم مہر کا مطالبہ کرے تو اسے قانوناً مجبور کر دیا جائے کہ وہ دفعتاً آنے مہر پر راضی ہو کر نکاح کر لے۔ دراصل اس قسم کے مضحکہ خیز شوٹے محض اس لئے چھوڑے جاتے ہیں تاکہ مسلمانوں کے دلوں سے شریعت اسلام کے

واضح احکام کی حرمت و عزت کا جذبہ مضاعف ہو جائے۔

نوائے وقت ۲۵ جون ۱۹۷۷ء میں ڈاکٹر عبد الغفور
شراب نوشی کی سزا | سلیم صاحب نے شرابی کی سزا کے متعلق ایک طویل
 مضمون میں یہ تاثر دیا ہے کہ شراب نوشی کی سزا کے بارے میں صحابہ کرام و فقہاء کے
 درمیان اجماع یا مکمل اتفاق نہیں ہے اور یہ کہ حالات اور ماحول کے تغاضوں کے مطابق
 سزا میں تبدیلی ہوتی رہی ہے اور کی جاسکتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ دعویٰ محض ایک
 مغالطہ ہے۔ خود انہوں نے اس سلسلہ میں جو روایات و آثار نقل کئے ہیں۔ ان سے
 بھی ان کے دعویٰ کی تائید نہیں ہوتی۔ اس سلسلہ میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ شراب نوشی
 کی سزا کو فقہاء امت میں سے کسی نے تعزیر سے موسوم نہیں کیا۔ بلکہ حد سے موسوم کیا
 ہے تعزیر۔ قاضی کی رائے پر موقوف ہوتی ہے۔ جن جرائم کی سزا قاضی کی رائے پر موقوف
 ہوتی ہے۔ اس میں حالات ماحول۔ مجرم کی اخلاقی و مذہبی پوزیشن اور اس کے
 مزاج و طبیعت کے مطابق سزا میں کمی بیشی۔ تغیر و تبدل ہو سکتا ہے۔ مگر حد و دین
 کسی حال اور کسی مرحلہ پر بھی تبدیلی جائز نہیں ہے۔ فقہاء امت کا شراب نوشی کی سزا
 کو حد سے موسوم کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا ثبوت قطعیات سے ہے۔
 ورنہ اسے حد سے موسوم نہ کرتے۔ جہاں تک میرے مطالعہ کا تعلق ہے۔ یہ بات
 واضح ہوتی ہے کہ شراب نوشی کی حد بصورت ضرب پر تمام صحابہ کرام و ائمہ دین کا اجماع
 ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں ضرب کی کیفیت یہ تھی کہ جوتے
 تھپڑ اور کپڑے کو بٹ کر ضربات پہنچائی جاتی تھیں۔ جن کی تعداد چالیس ہوتی تھی حضرت
 صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چالیس کوڑے جاری فرمائی۔ حضرت فاروق اعظم
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور میں اسی کوڑے حد مقرر کی۔ نیز متعدد قولی احادیث میں

حضور علیہ السلام نے شراب نوش کی حد چالیس کوڑے ارشاد فرمائی (مسلم)

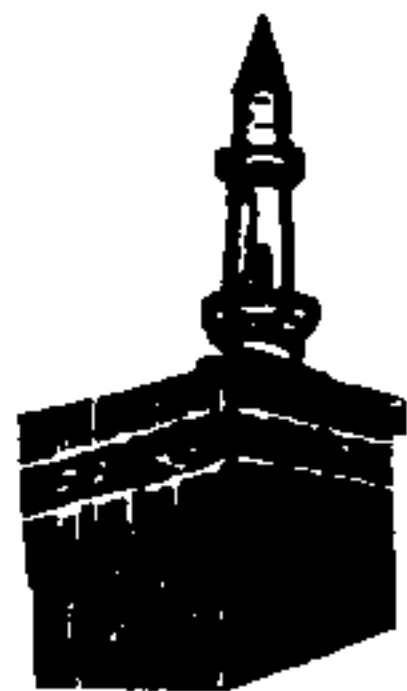
آئمہ احناف کا موقف یہ ہے کہ وہ ہر فاروقی میں شراب نوش کی حد اسی دوسے ہونے پر اجماع ہو گیا۔ لہذا تعداد میں بھی اضافہ یا کمی نہیں کی جاسکتی۔

بہر حال شراب نوش کی حد بصورت (ضرب) کوڑے پر علماء راشدین صحابہ کرام و ائمہ دین و علماء امت کا اتفاق ہے۔ اس معاملہ میں کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا۔ ہاں یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ نوڑوں کی تعداد چالیس ہو یا انسی۔ یہ اختلاف بالکل اسی طرح کا ہے جیسے چور کی سزا پانچ کاٹنے پر تو اجماع ہے البتہ نصاب کے متعلق اختلاف ہے۔

احناف کے ہاں دس درہم۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ رجب دینار اور امام مالک علیہ الرحمہ تین درہم کی مالیت چوری کرنے پر پانچ کاٹنے کا حکم لگاتے ہیں۔ دیکھئے چور کی سزا قطع یہ پر سب کا اجماع ہے۔ مگر جو چیز حرائی گئی ہے اس کی مقدار میں اختلاف ہے لہذا اس مقدار کے اختلاف کی بنیاد پر یہ کہنا ہرگز درست نہیں ہے کہ آئمہ اربعہ کے درمیان چور کی سزا (حد) میں چونکہ اختلاف ہے لہذا زمانہ و ماحول کے مطابق چور کی حد سزا میں تبدیلی جائز ہے۔ یہ ہی حال شراب نوش کی حد کا ہے۔ شراب نوش کی حد بصورت ضرب پر سب کا اتفاق و اجماع ہے۔ البتہ تعداد چالیس کوڑے یا انسی اس میں اختلاف ہے۔ لہذا اس اختلاف کی بنیاد پر یہ قول کرنا صحیح نہیں ہے کہ شراب نوش کی حد کے متعلق صحابہ کرام و فقہاء میں مکمل اتفاق ہے۔ لہذا شراب نوش کو ضرب (کوڑے) کی سزا کی بجائے قید و جرمانہ کی سزا دی جائے۔



marfat.com



حاضر جوابی

شیخ الحدیث حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ العزیزہ ۱۱۵۹ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ محدث بھی تھے، مفسر بھی، فلسفی بھی تھے اور نہایت حاضر جواب بھی۔ ان کے علمی و دینی لطائف میں سے چند یہ ہیں:-

(۱) مسٹر مشکاف نامی کوئی انگریز حضرت شاہ صاحب کے زمانہ میں دلی کے کسی بڑے عہدے پر متعین تھا۔ اس کے ہاں ایک پادری آکر ٹھہرے۔ مسٹر مشکاف نے پادری صاحب سے کہا کہ ”شاہ صاحب کو ہزار تو جانیں، اگر ہر ادو تو تمہیں دو ہزار روپے دوں گا۔ ورنہ تم دو ہزار روپے مجھے دینا“ پادری صاحب راضی ہو گئے، اور بچے مسٹر مشکاف کے ساتھ شاہ صاحب سے مناظرہ کرنے۔ شاہ صاحب نے فرمایا:- ”کہے جو کہنا ہے“ پادری صاحب نے کہا ”میں اپنی بات کا جواب معقول چاہتا ہوں منقول اور کتابی نہیں چاہتا“ شاہ صاحب نے فرمایا ”در منظور ہے، کسی کتاب کا نام نہیں لوں گا۔“ پادری صاحب نے پوچھا کہ ”یہ کیا جہا ہے کہ آپ کے پیغمبر اللہ کے محبوب ہیں اور امام حسین ان کے نواسے تھے۔ جنہیں وہ بے حد چاہتے تھے۔ پھر اللہ نے یہ کیسے گوارا کر لیا کہ محبوب کا محبوب شہید کر دیا گیا۔ نہ اللہ ہی نے خود پرواہ کی اور نہ اللہ کے محبوب نے اسے توجہ دلائی؟“ شاہ صاحب نے فرمایا ”ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے توجہ تو دلائی تھی، لیکن اللہ نے جواب دیا۔ میاں تمہیں اپنے نواسے کی پڑی ہے، یہاں کم بختوں نے میرے بیٹے رحیمی علیہ السلام کو سولی پر چڑھا دیا۔ مجھے ذرا اس فکر سے تو فارغ ہو لینے دو۔“

(۲) دہلی کارنیڈنٹ شاہ صاحب سے ملنے آیا اور بالوں باتوں میں کہنے لگا۔ جناب میں نے ایک سوال کئی عالموں سے کیا۔ مگر کوئی اطمینان بخش جواب نہیں ملتا۔ آپ بھی

نور کیجئے۔ سوال یہ ہے کہ ”ایک مسافر راستہ بھول گیا۔ اس نے دیکھا ایک شخص سامنے بڑا سو رہا ہے اور ایک شخص اس کے برابر بیٹھا ہے، اب مسافر سوتے سے راستہ دریافت کرے یا جاگتے سے؟“ شاہ صاحب سوال کی تہ کو پہنچ گئے۔ سوتے سے نذیذت کی مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے، اور جاگتے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ شاہ صاحب نے فوراً جواب دیا۔ ”راستہ سوتے سے پوچھنا ہوگا۔ وہ جاگنے والا خود اس انتظار میں بیٹھا ہے کہ سونے والا اٹھے تو اس سے راستہ پوچھے۔ مسافر کو چاہئے کہ وہ بھی سونے والے کے اٹھنے کا انتظار کرے۔“

(۳) ایک شخص نے عرض کی کہ ”محفل رقص و سرور میں انسان رات بھر جاگتا رہتا ہے۔ لیکن اللہ کی عبادت میں نیند آنے لگتی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟“ شاہ صاحب نے فرمایا ”دوپٹنگ ہوں، ایک پر کانٹے بچھے ہوں اور ایک پر پھول، نیند کس پر آئے گی۔ اس نے عرض کیا ”پھول والے پٹنگ پر“ فرمایا ”بس رقص و سرور کی محفل کانٹوں والے پٹنگ کے مثل ہے، اور اللہ کی عبادت پھول والے پٹنگ کی مثل۔“

(۴) ایک انگریز عربی فارسی جاننے والا جامع مسجد میں آیا۔ شاہ صاحب جامع مسجد میں وعظ کہہ رہے تھے، وہ انگریز وعظ سننے لگا اور تھوڑی دیر بعد بلند آواز سے اس نے یہ شعر پڑھا۔

کے بگفت کہ عیسیٰ ز مصطفیٰ اعلیٰ است کہ ایں بزیر زمین دفن و آں بہ اوج سماست
شاہ صاحب نے اسی وقت یہ شعر پڑھ دیا۔

بگفتش کہ نہ ایں حجت قوی باشد حباب بر سر آب و گہر تہہ دریا است
(۵) شیعوں کے ایک بڑے عالم تشریف لائے اور فرمایا ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی عائشہؓ کے جتنی ہونے کی بھی آپ کے پاس کوئی دلیل ہے؟“ شاہ صاحب نے پوچھا ”آپ نے فلاں کتاب پڑھی ہے؟“ شیعوں نے جواب دیا ”ہاں کیوں نہیں۔ بڑی

مستند کتاب ہے۔“ کہا ”اس کتاب میں لکھا ہے کہ عکاشہ رضی اللہ عنہ نے ایک بار کسی جیلہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر نبوت کو چوم لیا تھا اور اس چومنے کی وجہ سے وہ بنتی ہو گیا۔“ شیعہ عالم نے کہا ”صحیح ہے۔“ شاہ صاحبؒ نے فرمایا ”جب یہ بات ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بنتی ہونے میں کیا شبہ ہے۔ انہوں نے ایک بائیس سے زیادہ بار مہر نبوت کو دیکھا اور چوما ہو گا۔ وہ رسول اللہ کی بیوی تھیں۔

(۶۱) ایک انگریز نے شاہ صاحبؒ سے سوال کیا کہ ”ہماری قوم کے سٹیکڑوں آدمی ایک جگہ جمع ہو جائیں تو ایک رنگ اور ایک روپ کے نظر آئیں گے۔ آپ کی قوم میں کوئی گورا، کوئی کالا، کوئی سانولا اور کوئی کسی طرح کا کیوں ہے؟“ فرمایا ”گدھے سب یکساں ہوتے ہیں اور گھوڑے مختلف، کوئی سبز، کوئی کمیت، کوئی سمند اور کوئی نقرہ



سوال و جواب

جائزہ رسمیں | حکیم محمد سعید صاحب دہلوی آف ہمدرد اکیڈمی نے۔ رسموں کی پابندی، نامی کتابچہ میں لکھا ہے۔ جن رسموں کو علماء دین نے جائز و مباح قرار دیا ہے۔ وہ بھی ضروری واجب التل اور فرض تو نہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے اور اس پر ہمیں بار بار غور کرنا چاہئے کہ ایسی رسمیں جو نہ ضروری ہوں اور نہ فرض بلکہ جن کو صرف جائز کہا جاسکتا ہو ان پر اصرار آخر کہاں کی علقندہی ہے۔ آپ کی اس کے متعلق کیا رائے ہے۔ عبد السلام بی اے کراچی۔

الجواب ممکن ہے حکیم صاحب نے ایک مکتبہ فکر سے متاثر ہو کر تصویر کا صرف ایک رخ پیش کر دیا۔ تصویر کا دوسرا رخ جسے پیش کرنا بھی ضروری تھا وہ یہ ہے کہ جو کام اور رسمیں جائز و مباح ہیں اور قرآن و حدیث سے ان کا ناجائز ثابت نہیں ہے۔ انہیں حرام و

بدعت قرار دینا بھی عقلندی نہیں۔ بلکہ اللہ و رسول پر۔ افتراء کے مترادف ہے۔
حضور کا ذکر | رضوان کے چند شمارے مطالعہ میں آئے۔ مضمون خواہ کسی بھی مسئلہ سے متعلق ہو اس میں حضور کی مدح و ثناء کا تذکرہ ضرور آجاتا ہے۔

الجواب:- مگر آپ کو اس سے کیوں تکلیف ہوتی ہے؟ حضور سید المرسلین علیہ الصلاۃ والتسليم کی مدح و ثناء کسی رشید کو بُری لگے۔ یہ ناممکن ہے۔ بہر حال یہ اپنا اپنا مقدر ہے۔ اپنا اپنا نصیب، ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ عالم خلق میں صرف اور صرف حضور سرور دو عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی وہ ظاہر و مظهر معصوم شخصیت ہے۔ جو حقیقی معنوں میں سزاوار مدح و ثناء ہے اور آپ کی مدح و ثناء ہی سرمایہ آخرت اور روح دین ہے۔ آپ کے ذکر و تعریف کے بغیر تو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مقبول و محمود نہیں ہے۔

مغز قرآن روح ایمان جان دین
 ہست حب رحمة اللعالمین

تہ

استاذ محترم والد محترم امام العلماء و صدر الفضلاء حضرت مولانا الحاج علامہ ابوالبرکات

سید احمد شاہ صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ

ناظم دارالعلوم حزب الاحناف کی خدمت اقدس میں جن کی مقدس تربیت سے

راقم الحروف اس کا بخیر کے لائق ہوا



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



وَمَا يَكْفُرُ بِهِ إِلَّا الْأَقَلُّ مِنَ النَّاسِ

شامش افروز سما بلع العالی بکماله
وصف سخ او وای لطف کشف الدخ بکماله

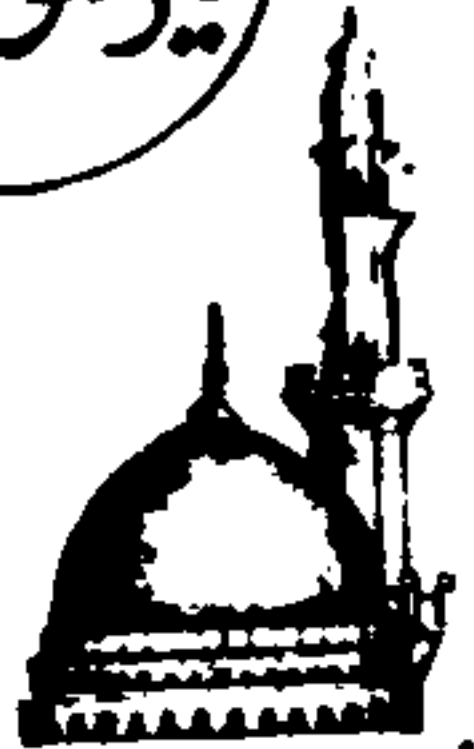
قرآن با خلائق گوشتیست مع خصایله
صدقا یقیناً را سخا صلیه و آواله

حسن ریاست دم قیسی ید بیضا داری
آنچه خوبان همه دارند تو نهی سلاری

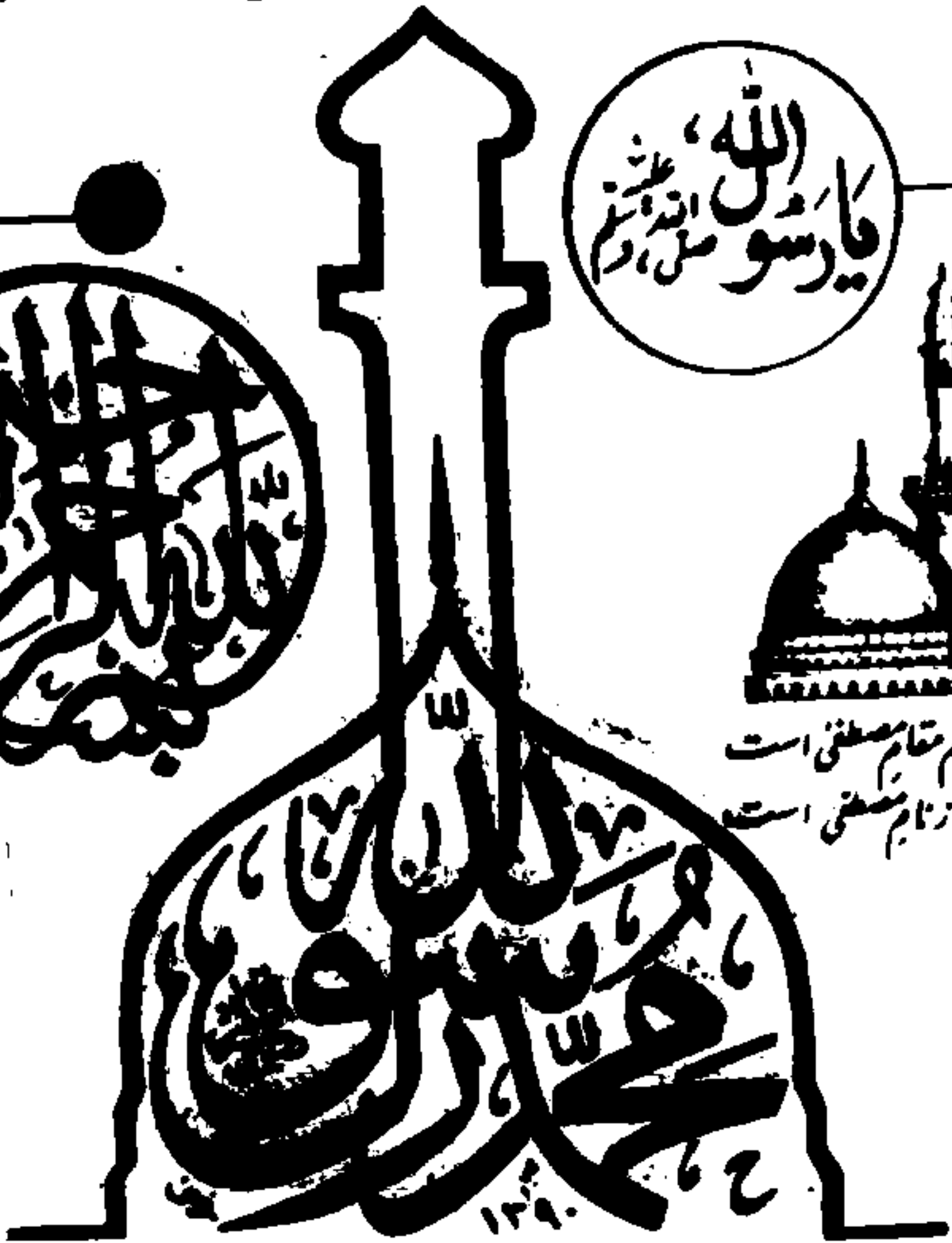
لَا يَكُنْ لَكَ شَيْءٌ سِوَاكَ كَالْحَقِّ
 بَعْدَ خُذْ بَرْكَتِي فِي قِصَّةِ

اللَّهُ،
 يَا رَسُولَ اللَّهِ،

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



درول مسلم مقام مصطفیٰ است
 آبروئے ماز نام مصطفیٰ است



جن کو سوائے آسمان پیلا کے جل تمل بھر دیے
 صدقہ ان ہاتھوں کا پیارے ہم کو بھی درکار ہے

marfat.com

Marfat.com

شافع شہ ابراہیم



بخاری شریف میں جناب انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک طویل حدیث کا خلاصہ یہ ہے۔
 ”روز قیامت مومنین جمع کئے جائیں گے۔ کہیں گے کاش بخیر رب العالمین کوئی شفاعت
 کرنے والا تلاش کرتے جو ہمیں ہمارے اس مکان سے راحت دیتا تب حضرت آدم علیہ السلام
 کی خدمت میں حاضر ہو کر کہیں گے۔“

”اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دستِ قبضت سے پیدا فرمایا۔ فرشتوں سے سجدہ کرایا۔ آپ
 کو ہر چیز کے اسم کا علم دیا۔ آپ ہمدی اللہ کے حضور میں شفاعت کیجئے۔“
 حضرت آدم فرمائیں گے یہ اکام نہیں ہے تم حضرت نوح کی خدمت میں جاؤ۔ وہ پہلے
 دھول ہیں جنہیں کی طرف بھیجے گئے۔ لوگ جناب نوح کی خدمت میں حاضر ہو کر طالبِ شفاعت ہوں
 گے۔ حضرت نوح حضرت ابراہیم کی خدمت میں بھیج دیں گے۔ حضرت ابراہیم بھی یہی فرمائیں گے
 کہ میں اس کا بل نہیں ہوں۔ وہ جناب موسیٰ کی خدمت میں جانے کا مشورہ دیں گے۔ پھر یہ لوگ حضرت
 عیسیٰ کی خدمت میں حاضر ہو کر طالبِ شفاعت ہوں گے تو حضرت عیسیٰ فرمائیں گے یہ میرا منصب
 ہے۔ ہے تم لوگ حضرت سید الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں جو
 خدا کے حبیب خاص ہیں معصوم نبی ہیں۔

اب یہ لوگ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر طالبِ شفاعت
 ہوں گے۔ حضور سید المرسلین خاتم النبیین فیض المذہبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:-
 ”جب یہ لوگ میرے حضور حاضر ہوں گے تو میں اپنے رب سے اذنِ شفاعت چاہوں گا اور
 مجھے حضوری کی اجازت ملے گی۔ جب میں اپنے رب کے دیدار سے مشرف ہوں گا۔ سجدہ میں گر
 جاؤں گا اور جب تک اللہ چاہے گا، اسی حال میں رہوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ العزت فرمائے گا۔“

اَرْفَعْ رَأْسَكَ يَا مُحَمَّدُ
وَقُلْ تَسْمَعُ وَ سَل
تُعْطِي وَ اَشْفَعُ تَشْفَعُ
بخاری ج ۱ ص ۱۸۱ (مختار)

”سراٹھائیے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
ادب بات کہتے سنی جائے گی اور سوال
کیجئے جو آپ مانگیں گے وہ آپ کو دیا
جائے گا۔ اور شفاعت کیجئے آپ کی
قبول کی جائے۔“

حنود فرماتے ہیں پھر میں اپنے رب کی ان محامد کے ساتھ حمد کروں گا جو اس نے مجھے تعلیم
فرمائی پھر میں شفاعت کروں گا، اور میرے لئے حد مقرر کی جائے۔ پس میں ان کو جنت میں داخل
کروں گا پھر بخیر و بدب العالمین رجوع کروں گا، سجدہ کروں گا پھر سراٹھانے پر مذکورہ بالا ندا آئیگی
میں اپنے رب کی حمد کروں گا، پھر کہا جائے گا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سراٹھائیے جو فرمانا ہو فرمائیے
سنا جائے گا جو مانگا ہوا مانگیے دیا جائے گا۔ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔
پھر میں اپنے رب کی حمد کروں گا۔ پھر شفاعت کروں گا، میرے لئے ایک حد مقرر کی جائے گی۔
پس میں ان کو جنت میں داخل کراؤں گا۔ پھر بخیر و بدب العالمین رجوع کروں گا۔ مجھے اپنے رب
کا دیدار ہوگا۔ سجدہ میں گر جاؤں گا۔ پھر سراٹھانے کی ندا آئے گی اور فرمایا جائے گا کہ کہتے سنا جائے گا
شفاعت کیجئے قبول کی جائے گی۔ مانگیے جو آپ مانگیں گے دیا جائے گا۔ پھر میں اپنے رب کی
ان محامد کے ساتھ حمد کروں گا جو اس نے مجھے تعلیم فرمائی۔ پھر میں شفاعت کروں گا۔ میرے
لئے ایک حد مقرر کی جائے گی۔ پھر میں اپنے رب کی طرف رجوع کر کے عرض کروں گا۔

ابن دوزخ میں سوائے ان کفار کے کوئی باقی نہ رہا جو حکم قرآن جہنمی ہیں اور جن کا ظہور اور
ہمیشہ جہنم میں رہنا واجب ہے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔

”جس نے لا الہ الا اللہ کہا ہو اور اس کے دل میں دائہ گندم کے برابر اور ذرہ کے برابر اور
جو بھربھی ایمان ہوگا، جہنم سے نکال لیا جائے گا۔“ (بخاری شریف)

اس حدیث میں یَجْمَعُ الْمُؤْمِنُونَ کے الفاظ ہیں یعنی شفاعت طلب کرنے والے مومن
ہوں گے معلوم ہوا کہ طلب گار شفاعت وہ ہونا کفار کی شان ہے۔

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ لوگ روز قیامت جماعت جماعت ہو جائیں گے نہ ہر امت

اپنے نبی کی پیروی ہو کر عرض کرے گی۔

يَقُولُونَ يَا فَلَانُ اشْفَعْ
يَا فَلَانُ اشْفَعْ حَتَّى تَخْتَلِفَ
الشَّفَاعَةُ إِلَى السَّيِّئِ مَسَلَى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -

یا حضرت شفاعت فرمائیے، یا حضرت
شفاعت فرمائیے (پھر ان کی رہنمائی
سے) سلسلہ طرقاتم انبیاء کے پاس
ہوتی ہوئی شفاعت حضور علیہ السلام
تک پہنچے گی۔

(بخاری ج ۲، ص ۶۸۶)

• واضح ہوا کہ اولین و آخرین میں سے کوئی ایسا نہ ہوگا جو طلب گار شفاعت نہ ہو جس سے
اس امر پر روشنی پڑتی ہے کہ شفاعت کا مسئلہ اتنا اہم ہے کہ اس پر تمام عالم کے مومنین زمانہ آدم
علیہ السلام سے قیامت تک کے ایمانداروں کا اجماع ہے اور ان مومنین میں سے کسی کو بھی نہ
شفاعت کا انکار ہے اور نہ تردد۔

• تمام انبیاء کرام کی بارگاہوں سے ہو کر لوگوں کا حضور کی خدمت میں آنا حضور کا وہ اعزاز و
اکرام ہے جو آپ ہی کے ساتھ خاص ہے۔ ان کے جواب میں حضور یہ نہیں فرماتے کہ میں تو بے اختیار
ہوں تمہاری حمایت نہیں کر سکتا بلکہ فرماتے ہیں تو یہ:-

فَأَقُولُ أَنَا لَهَا (بخاری) ہاں میں تمہاری شفاعت کے لئے ہوں

سبحان اللہ امیدواروں کی تسلی فرمادی کہ شفاعت ہمارا منصب ہے اور آج تمہاری
حاجت روانی ہمارا کام ہے۔ پھر حضور علیہ السلام کے اعزاز و اکرام کی انتہا یہ ہے کہ عرصات عشر
میں تمام انبیاء کرام حضور ہی سے امتوں کی شفاعت طلب کرنے کے لئے حاضر ہوں گے
حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اسی انتظار میں کھڑا ہوں گا کہ میری امت صراط
پر گزرے اتنے میں جناب عیسیٰ علیہ السلام حاضر ہو کر عرض کریں گے۔

يَا مُحَمَّدُ هَذَا لَأَنْبِيَاءُ قَدْ
جَاءَتْكَ - اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ تمام انبیاء
آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر

درخواست کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ تمام امتوں کو جہاں چاہے

متفرق فرمادے تاکہ جس مصیبت میں وہ ہیں اس سے نجات ملے۔

• علامہ ابن حجر علیہ الرحمۃ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں

إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ جَمِيعًا يَسْتَلُونَ
فِي ذَلِكَ . (فتح الباری ص ۱۹۱)
تمام انبیاء کرام مع ہو کر حضور علیہ السلام
سے درخواست شفاعت کریں گے۔

• امام محی الدین نووی اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ لوگوں کی درخواست پر حضور علیہ السلام
کا بے تاثر کلام شفاعت ہو جائے گا اور لوگوں کی درخواست قبول فرما دیں سبب ہے کہ حضور
إِنَّ هَذِهِ الْكَرَامَةَ وَالْمَقَامَ لَكَ
(صلی اللہ علیہ وسلم) خاصۃً بک (ص ۱۹۱)
یقین جانتے ہیں کہ یہ عزت و منزلت
آپ کے لئے مخصوص ہے۔

• اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ سب سے پہلے دروازہ شفاعت حضور ہی کے لئے
کھلے گا، حضور سے قبل کسی کو مجال شفاعت نہ ہوگی۔
فقط اتنا سبب ہے انعقاد بزم عرش کا
کہ ان کی شان مجبلیٰ حکمائی جائیوالی ہے
پھر حضور فرماتے ہیں۔

أُخْرِجُكُمْ مِنَ النَّارِ فَأَدْخِلُكُمْ
الْجَنَّةَ (بخاری)
میں انہیں جہنم سے نکال کر جنت میں
داخل کر دوں گا۔

گویا حضور کی شان شفاعت یہ ہے کہ حضور خود مومنین کو جہنم سے نکالیں گے اور جنت
میں داخل فرمادیں گے یہ اختیار نہیں تو اور کیا ہے۔

• پھر اللہ رب العزت جل مجدہ کے حضور میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اکرام ہے کہ حضور
سزجود ہیں۔ ابھی حرف شفاعت زبان اقدس پر نہیں آیا ہے۔ ابھی لفظ سوال عرض نہیں کیا گیا
کہ رحمت حق نے سبقت کی اور اپنے محبوب رسول کی دلداری و رضا جوئی کے لئے فرمایا۔
”پنا سرا ٹھائیے شفاعت کیجئے“ قبول کی جائیگی۔“

اں ہاں! عرصات محشر میں سرقران عالم نسب یار و مرسلین کا مقدس و محترم گروہ لب کشف
کی جرات نہیں کرتا مگر محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت و منزلت یہ ہے کہ اپنے
مقصد کے لئے جنبش لب بھی نہ ہوئی تھی کہ نہ لایہی آتی ہے۔

”اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سرا ٹھائیے۔ مانگیئے۔ شفاعت کیجئے۔“ دیا جائے گا، سنا جائے گا۔“

تَسْأَلُ فَتُعْطَى تَشْفَعُ فَتُشْمَعُ
 لَيْسَ أَحَدًا إِلَّا تَحْتَ لَوْنِكِ
 مانگے آپ دیے جائیں گے، مفاہش
 کیجئے قبول کی جائے گی، سبھی آپ کے
 جھنڈے تلے ہیں۔ (صحیح ۲ ص ۱۲۱)

حدیث زیر بحث میں ہے کہ لوگ درجہ بدرجہ انبیاء کرام کی بارگاہوں سے ہوتے ہوئے بخیر
 ہی حاضر ہوں گے۔ سوال یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ابتدا ہی میں حضور کی خدمت میں
 نہ بھیج دیا تاکہ لوگ جلد اپنا مقصد پالیتے۔ پھر طلبِ شفاعت تو لوگ بالہام الہی کریں گے،
 اگر مسلم شریف میں ہے

فَيُلْقِمُونَ لِيَذَّالِكُ (سبح اسمہ) ان کو اس امر کا الہام کیا جائے گا۔
 ہم میں کیوں نہ بتا دیا گیا کہ حاجتِ روحانی صرف اور صرف حضور ستید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے
 سے ہوگی۔

اس کی حکمت میں علامہ نووی نے فرمایا۔ انبیاء بالیقین یہ جانتے ہیں کہ صاحبِ شفاعت
 ستید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن ہر ایک نبی کا دوسرے کی طرف بھیجنا اس لئے ہے کہ
 ایک کی شفاعت سے دوسرے کے پاس اور دوسرے کی شفاعت سے تیسرے کے پاس
 طرح سلسلہ بسند بخیر نبوی باریابی حاصل کریں اور حضور کی توجہ اور نظر کرم کے لئے حضور کی
 راہ میں انبیاء کی شفاعتیں لائیں (نووی ج ۱ ص ۱۲۱)

اللہ رب العزت جل مجدہ نے اہل عشر کو حضرت آدم اور ان کے بعد اور انبیاء کرام علیہم السلام
 خدمت میں طلبِ شفاعت کا الہام فرمایا اور ابتداء حضور علیہ السلام کے حضور درخواستِ شفاعت
 کرنے کا الہام نہ فرمایا۔ اس میں یہ حکمت ہے کہ حضور ستید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا
 رہو کیونکہ اگر ابتدا ہی حضور کی خدمت میں حاضر ہو جاتے تو یہ احتمال رہتا کہ شاید دوسرے انبیاء
 بھی کام چل سکتا اور حاصل ہو جاتی لیکن جب دوسرے اصغیاء و مرسلین سے سوال کر چکے
 سب نے انکار کر دیا پھر حضور کی خدمت میں درخواست کی اور حضور نے فوراً قبول فرمائی تو اس
 کے کمال کیا کہ حضور کے کمال قرب اور محبوبیتِ مامر میں کسی کی شرکت نہیں ہے

وَقَبِيلُهُ تَفْخِيْلُهُ صَلَّى اللہ علیہ اور اس امر میں دلیل ہے کہ حضور تمام

وَسَلَّمَ عَلَىٰ جَمِيعِ الْمَخْلُوقِينَ
مِنَ الرَّسُلِ وَالْأَذْمِيَّةِ
وَالْمَلَكَةِ فَإِنَّ هَذَا لَأَمْرُ
الْعَظِيمِ وَهِيَ الشَّفَاعَةُ
الْعُظْمَى لَا يَقْدِرُ عَلَى الْقَدَامِ
عَلَيْهِ غَيْرُهُ حَتَّىٰ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

انبیاء و مرسلین اور کل آدمیوں اور فرشتوں
اور تمام مخلوقات سے افضل ہیں کیونکہ
شفاعت عظمیٰ پر اقدام کرنے پہل
کرنے کی آپ کے سوا کسی میں قدرت
نہیں ہے۔
(نوری شرح مسلم ج ۱ ص ۱۸۱)

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

أَنَا أَوَّلُ النَّاسِ يَشْفَعُ فِي
الْجَنَّةِ وَأَنَا أَكْثَرُ الْأَنْبِيَاءِ
تَبَعًا۔ (مسلم جلد ۱ ص ۱۸۱)

میں پہلا شخص ہوں جو جنت میں شفاعت
کروں گا اور میں مجاہد متبعین کے انبیاء
میں سب سے بڑھ کر ہوں۔

أَنَا أَكْثَرُ الْأَنْبِيَاءِ تَبَعًا وَأَنَا
أَوَّلُ مَنْ يَقْرَعُ بَابَ الْجَنَّةِ
وَهُوَ شَخْصٌ هُوَ جَوْجَنْتِ كَادِرُ وَاهِ كَهْكَهْ مَاوِلْ كَا۔

میں انبیاء میں متبعین کے لحاظ سے سب
سے زیادہ ہوں۔ اور میں ہی سب سے پہلا
وہ شخص ہوں جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹا دوں گا۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سینا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ
عنہ نے خطبہ میں فرمایا عنقریب اس امت میں ایسا گروہ پیدا ہوگا، جو جہنم اور فتنہ و جال اور عذاب
قبر کی تکذیب کرے گا۔

وَيُكَذِّبُونَ بِالشَّفَاعَةِ
يُكَذِّبُونَ يَقُولُونَ يُخْرِجُونَ مِنَ
النَّارِ۔ (بیہقی)

اور شفاعت کو جھٹلاتے اور اس قوم
کی تکذیب کرے جو دوزخ سے نکالی
جائے گی۔

مَنْ كَذَّبَ بِالشَّفَاعَةِ فَلَا
نَصِيبَ لَهُ فِيهَا۔
(فتح الباری ج ۱ ص ۱۸۱)

جس شخص نے شفاعت کی تکذیب کی
اور اس کو جھٹلایا، شفاعت میں
اس کا حصہ نہیں۔

اسلام میں سنت رسول کا مقام

اس مسئلہ پر بحث سے قبل تین باتیں قابل غور ہیں
 اول : اللہ تعالیٰ نے کتاب اور رسول کے واسطہ کے بغیر خود ہی مخلوق کی ہدایت کیوں نہ فرمائی
 دوسرے : رسالت کے کام کے لیے صرف انسانوں کو کیوں منتخب کیا۔ فرشتوں یا دیگر غیر انسانی
 ہستیوں کو اس کام کے لیے کیوں نہ مامور کر دیا۔ سوہرہ : تمام آسمانی کتابوں کو رسول کے
 واسطہ سے کیوں نازل کیا۔ صرف کتاب ہی کیوں نہ نازل کر دی۔

سوال اول کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غایتہ تجربہ و اور نہایت تقدس میں ہے یعنی
 وہ ایک ایسی ہستی ہے جو کمال کے انتہائی بلند مقام پر

فائز ہے اور انسان نقصان کے انتہائی درجہ پر ہے۔ اس لیے انسان میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ
 وہ خدا سے بلا واسطہ ہدایت اور فیض حاصل کرے اور نہ خدا ہی بلا واسطہ اپنے بندے سے تعلق پیدا
 کرتا ہے اور اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ خدا قادر نہیں ہے؛ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ نقصان
 انسان میں ہے۔ اس میں یہ صلاحیت اور قابلیت اور استعداد ہی نہیں ہے کہ وہ براہ راست
 خدا سے فیض لے کیونکہ ناقص کامل سے اسی وقت بلا واسطہ فیض حاصل کر سکتا ہے جبکہ ناقص
 اور کامل میں کوئی مناسبت ہو۔ اور خدا اور بندہ میں تو کوئی مناسبت ہے ہی نہیں۔ وہ خالق ہے
 اور یہ مخلوق۔ خالق اور مخلوق کا کیا جوڑ۔ اس لیے اللہ سے فیض لینے اور اس کی رضا اور احکام کے
 مطابق زندگی بسر کرنے کے لیے ایک واسطہ کی ضرورت پڑی۔ ایسا واسطہ جس کا تعلق خدا سے
 بھی ہو اور مخلوق سے بھی۔ پس یہ واسطہ انبیاء کرام ہیں جن کے ذریعہ مخلوق کا تعلق خدا سے قائم
 ہوتا ہے۔

اب یہ سمجھئے کہ انسان تو غایت نقصان میں تھا اور وہ اپنی عدم صلاحیت کی وجہ سے خدا سے
 بلا واسطہ تعلق پیدا نہیں کر سکتا تھا۔ پھر انبیاء جو انسان ہی ہوتے ہیں وہ اللہ سے کیسے تعلق پیدا
 کر سکتے ہیں؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء اگرچہ انسان ہی ہوتے ہیں مگر انسانیت کی نہایت بلند سطح پر
 ہوتے ہیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ نے خود ایسی صلاحیت اور استعداد پیدا فرمادیتا ہے کہ وہ بلا واسطہ

اس سے تعلق رکھیں۔ انبیاء میں چند خصوصیات ایسی ہوتی ہیں۔ جو انسانوں میں تو کیا فرشتوں میں بھی نہیں پائی جاتیں۔ جیسے خدا اپنی مخلوقات کے درمیان تقدس اور تجرد کے نہایت بلند مقام پر ہوتا ہے اسی طرح انبیاء کرام عام انسانوں میں تقدس اور تجرد کے نہایت بلند مقام پر فائز ہوتے ہیں۔ تجرد کی جہت سے وہ خدا سے تعلق رکھتے ہیں اور تعلق کی جہت سے وہ پیغامات الہی بندوں تک پہنچا دیتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ہدایت کے لیے انبیاء کرام کو واسطہ قرار دیا اور خود بلا واسطہ مخلوق کی ہدایت نہیں فرمائی۔

اللہ کی سنت یہ ہے کہ عام انسانوں کی ہدایت کے لیے رسول بشری ہی مبعوث فرماتا ہے اور اللہ کی سنت میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔
سوال دوم کا جواب یہ ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ فرشتے یا غیر انسانی ہستیاں انسان کی ہدایت اور تزکیہ کا سبب نہیں بن سکتیں۔ کیونکہ انسان کی ہدایت کا سبب وہی بن سکتا ہے جو انسان کے ساتھ مناسبت رکھے۔ فرشتے اپنی نورانیت اور ملکیت کی وجہ سے اور غیر انسانی ہستیاں اپنے فطری قصور اور عدم صلاحیت کی وجہ سے انسان کے لیے ہادی نہیں ہو سکتیں۔ چنانچہ ہر زمانہ کے کفار نے انبیاء و مرسلین سے یہی مطالبہ کیا ہے کہ اگر خدا کو پیغام پہنچانا ہی منظور ہے تو ہم پر فرشتے کیوں نہیں نازل کرتا کہ ہمیں اس پیغام کے منزل من اللہ ہونے کا یقین آجائے۔
 اللہ تعالیٰ نے کفار کے جواب میں فرمایا :-

لَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا
 اس آیت میں یہ بتایا گیا کہ انسان کی ہدایت اور تزکیہ و تربیت کے لیے فرشتہ کام نہیں دے سکتا۔ کیونکہ فرشتے اور انسان میں کوئی مناسبت ہی نہیں ہے۔ فرشتہ انسانی جذبات سے محروم ہے۔ شہوانی قوتیں اس میں مفقود ہیں انسانی ضرورتوں سے بے نیاز ہے۔ ایسے علی اور نوری افراد انسان کی تعلیم و تربیت کے فرائض ادا کر ہی نہیں سکتے اسی لیے فرمایا کہ اگر ہم فرشتوں کو بھیجتے تو بھی ان کو لباس بشریت میں بھیجتے تاکہ انسان اور فرشتہ میں مناسبت پیدا ہو جاتی۔ بلکہ قرآن کریم نے یہاں تک فرمایا کہ فرشتے اسی صورت میں بھیجے جاسکتے تھے جب کہ زمین پر فرشتے بستے ہوتے۔

لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يُمَشُّونَ مُطَهَّرِينَ
 لَوَلَّوْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَسُولًا
 اس لیے اللہ تعالیٰ نے عام انسانوں کی ہدایت و تزکیہ و تربیت کے لیے فرشتوں کی بجائے انسانوں کو ہی رسول بنا کر مبعوث فرمایا۔

سوال سوم کا جواب یہ ہے اب رہا یہ سوال کہ کتب کو رسول کے واسطے کیوں نازل کیا صرف کتاب ہی کیوں نہ نازل کر دی

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانی کتابوں کو رسول ہی کے واسطے سے نازل کیا ہے۔ وہ اس

پر بھی قادر ہے کہ صرف کتاب نازل کر دیتا اور کتاب کے مطبوعہ نسخے ہر انسان تک پہنچا دیئے جاتے۔ اگر کتاب کی اشاعت کا یہ طریقہ اختیار کیا جاتا تو بلاشبہ یہ ہدایت کا یقینی ذریعہ ہوتا کیونکہ ایسے صریح معجزے اور بالکل ظاہر خارق عادت کو دیکھ کر ہر شخص مان لیتا کہ یہ کتاب واقعی خدا کی طرف سے ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے باوجود قادر مطلق ہونے کے یہ طریقہ اختیار نہیں فرمایا۔ بلکہ ہمیشہ اپنے رسولوں ہی کے ذریعہ کتابیں نازل کیں تاکہ قرآن شریف کی باری آئی۔ تو قرآن بھی بلا واسطہ نہیں دیا۔ بلکہ اس کے نزول سے پہلے بڑے انتظامات فرمائے۔ پھر ایک مقدس ہستی کو ابتدا ہی سے قرآن کے لیے مخصوص و منتخب فرمایا۔ جب وہ ہستی دنیا میں جلوہ فرما ہو گئی۔ تو پھر قرآن نازل ہوا۔ اور رسول کریم کے واسطہ سے قرآن بھی دیا گیا۔ آخر کیوں؟ اس کا تسلی بخش جواب خود قرآن ہی نے دیا ہے اس نے بتایا ہے کہ اللہ نے جس قدر رسول مبعوث کئے ہیں۔ ان کی بعثت کا مقصد یہ رہا ہے کہ فرایین الہی کے مطابق حکم دیں۔ اور لوگ انہیں کے احکام کی اطاعت کریں۔ وہ کتاب الہی پر خود عمل کر کے دکھائیں اور لوگ انہیں کے نمونہ کو دیکھ کر ان کا اتباع کریں۔

مَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ .
ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔ دنیا میں جتنے انبیاء کرام تشریف لائے سب نے اپنی امت سے یہ ہی مطالبہ کیا۔
اتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا .
اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے بھی یہی کھلایا گیا۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي

اگر اللہ کے محبوب بننا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو

ان نصوص قرآنیہ سے ثابت ہوا کہ کتاب کے ساتھ رسول کو اور قرآن کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمانے کی حکمت یہ ہے کہ کتاب اور رسول دونوں کی اطاعت کی جائے اور اللہ کا منشا یہ ہے کہ جس طرح لوگ میری کتاب کی اطاعت کریں۔ ٹھیک اسی طرح لوگ کتاب کے ساتھ جو رسول بھیجا گیا ہے اس کا بھی اتباع کریں۔

اس میں شک نہیں کہ کتاب (قرآن) دین و شریعت کی اصل ہے اور اولہ شریعہ میں سب سے مقدم اور محکم قرآن ہی ہے اور یہ بات منکرین حدیث کو بھی تسلیم ہے کہ

مُعَلِّمُ كِتَابٍ

قرآن صرف اصول دیتا ہے۔ اور اپنے اصول کی تشریح و توضیح کسی اور پر چھوڑ دیتا ہے۔ آخر کیوں؟ کیا قرآن ناص ہے؟ کیا وہ ملت کا دائمی اور آخری ضابطہ حیات نہیں ہے؟ ہے اور ضرور ہے تو پھر قرآن میں اصول فیوں ہیں؟ اجمال اور ابہام کیوں ہے؟ تو اس کی وجہ بھی خود قرآن ہی نے بتا دی۔ اس نے ہمیں بتایا کہ اگر محض کتاب اتار دی جاتی۔ اور اس کے ساتھ کوئی رسول نہ آتا تو لوگ آیات کے معانی میں اختلاف کرتے۔ اصول کی جزئیات میں رٹتے جھگڑتے اور کوئی ان کی تسلی کرنے والا اور غلطی کی نشاندہی کرنے والا نہ ہوتا۔ اور اس طرح

اللہ کی کتاب جہاد و نزاع کا اکھاڑ بن جاتی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے کتاب کے ساتھ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مبعوث کیا اور قرآن کو رسول کریم علیہ السلام پر نازل فرمایا۔ یہ صرف اس لیے تاکہ لوگ اپنے اپنے طور پر نہیں بلکہ رسول کے بیان اور تشریح کی روشنی میں قرآن کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں۔

قرآن کریم نے اپنے ساتھ رسول کے اس تعلق کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے۔

وَأَتَوْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لَتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ
مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ
ہم نے یہ ذکر (قرآن) آپ پر اس لیے نازل کیا ہے تاکہ آپ
خوب کھول کھول کر بیان کریں اس کو جو ان کی طرف نازل
کی گئی ہے۔

اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوئیں کہ قرآن کے ساتھ رسول کو اس لیے بھیجا گیا ہے کہ رسول قرآن کے
شارح ہیں اور ان کا فرض نبوت یہ ہے کہ وہ قرآن کی خوب تشریح و توضیح فرمائیں اور امت کا فرض یہ ہے کہ وہ
رسول کا اتباع کرے اور اس کے اسوہ حسنہ پر چلے :-

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ
پھر یہ ہی نہیں کہ قرآن نے صرف ایک ہی جگہ رسول کے اس منصب اور فرائض
کو بیان کر دیا۔ بلکہ متعدد مقام پر رسول کے فرائض اور اس کے مراتب سے
دنیا کو آگاہ کیا گیا۔ چنانچہ فرمایا۔

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ
یہ رسول قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔ اور ان کو پاک
کرتے ہیں اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔

اس آیت میں دو چیزیں الگ الگ ذکر کی گئی ہیں (۱) تلاوت آیات (۲) تعلیم کتاب۔

آیات کی تلاوت کا مطلب تو بالکل واضح ہے البتہ تعلیم کتاب کی مراد پر غور کرنا ہے۔ اگر تعلیم کتاب سے بھی
قرآن کی عبارت پڑھ کر سننا اور یاد کرنا ہی مقصود ہے تو تلاوت آیات سے الگ کوئی چیز نہ ہوتی۔ حالانکہ وہ
اس سے الگ چیز ہے اور الگ ہی ذکر کی گئی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یقیناً تعلیم کتاب سے مراد قرآن کی تشریح اس
کے معانی و مطالب کی توضیح ہی ہے۔ جب قرآن مجید سے یہ ثابت ہو گیا کہ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
فرائض نبوت میں الفاظ و کلمات قرآن کریم کی تلاوت ہے۔ اسی طرح اس کے معانی و مطالب کا بیان بھی فرائض
رسالت میں داخل ہے تو اب لازمی طور پر ماننا پڑے گا کہ جس طرح متن قرآن مجتہد ہے۔ اسی طرح اس کی نبوی
تشریح بھی مجتہد ہے۔ ورنہ قرآن کا آپ کو معلم کتاب کہنا اور کتاب کی تعلیم کو آپ کا فرض رسالت قرار دینا بالکل
بے معنی ہوگا۔ جب قرآن سے حضور علیہ السلام کا معلم اور شارح ہونا ثابت ہو گیا۔ تو جو شخص آپ کی رسالت
پر ایمان رکھتا ہے۔ اس کو یہ بھی اقرار کرنا پڑے گا کہ جیسے حضور علیہ السلام نے متن قرآن کی تلاوت و تبلیغ کی۔
اسی طرح آپ نے قرآن کے مطالب و معانی بھی بیان فرمائے۔ پھر جب قرآن کریم اللہ کی آخری کتاب ہے اور حضور

صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی، تو نہ اب کوئی نئی کتاب آسکتی ہے اور نہ کوئی دوسرا نبی۔ اور اس آخری کتاب کا اس کے نزول کے وقت سے رہتی دنیا تک باقی رہنا ضروری ہے۔ جب اس کی بقا ضروری ہے تو قرآن کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے حضور علیہ السلام کی قلی و فعلی تشریحات و توضیحات کا بھی ہر دور اور ہر زمانہ میں معقول و متداول اور موجود رہنا ضروری ہے۔

العروض : ان دو نصوص قرآنی سے ثابت ہوا :- (۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے شارح ہیں۔ (۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح قرآن کی تبلیغ کی۔ اسی طرح آپ نے قرآن مجید کے مطالب و مسائل بھی بیان فرمائے (۳) جب قرآن کریم کا باقی رہنا ضروری ہے تو حضور علیہ السلام کی تشریح کا باقی رہنا بھی ضروری ہے (۴) جب قرآن مجید کی دین میں حجت یقینی ہے تو قرآن حکیم کی شرح بھی دین میں حجت یقینی ہے اور قرآن حکیم کے ساتھ اس کی شرح (حدیث) کو ماننا بھی ضروری ہے۔

تعلیم حکمت | اب آیت زیر غور کے دوسرے کڑے پر غور کیجئے۔ تعلیم قرآن کے ساتھ تعلیم حکمت بھی حضور علیہ السلام کا ایک فریضہ بتایا گیا ہے۔ یعنی جس طرح قرآن کریم کے مفہوم و مطالب کو بیان کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض نبوت ہے۔ اسی طرح حکمت کی تعلیم دینا بھی آپ کا فرض ہے۔

یہ حکمت کیا ہے؟ قرآن بتاتا ہے کہ حکمت ایک ایسی چیز ہے جو اللہ نے قرآن شریف کے علاوہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی ہے :-

- (۱) وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ۝
- (۲) وَإِذْ كُنَّا مِنْكُمْ لَنَا عِلْمٌ لَأُبَيِّنَنَّ لَكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةَ -
- اور ہم نے آپ پر کتاب نازل کی اور حکمت بھی نازل کی اور سکھا دیا تم کو وہ جو تم نہیں جانتے تھے۔ اور تم پر تو اللہ کا بڑا فضل ہے۔
- یاد کرو اس کو جس کی تلاوت ہوتی ہے تمہارے گھروں میں آیتیں اور حکمت۔

ان دو نزل آیتوں سے واضح ہوا کہ جس طرح حضور علیہ السلام پر قرآن نازل ہوا۔ اسی طرح اللہ نے آپ پر حکمت بھی نازل کی۔ اب یہ حکمت کیا ہے؟ جو ازواجِ مطہرات کے گھروں میں قرآنی آیتوں کے علاوہ پڑھی جاتی تھی؟ وہ کیا چیز تھی جو حضور علیہ السلام ان کو قرآن کے علاوہ سناتے تھے؟ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور سنت تھی۔ یعنی قرآن کی تشریح فرمانے کے ضمن میں حکمت و دانائی کی وہ باتیں جو الفاظِ قرآن کے علاوہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس یا فعل و عمل سے ظاہر ہوئیں۔ وہی حدیث اور سنت ہے۔ اور اسی کو قرآن نے حکمت سے موسوم کیا ہے اور چونکہ اس آیت سے حکمت کے یاد رکھنے کا دمج بھی ثابت ہوا۔ پھر یاد رکھنے سے اصل مقصود ہی عمل ہے تو سنت و حدیث پر عمل کا واجب و مامور ہونا بھی ثابت ہوا۔ اور جب سنت ہی کا دوسرا نام حکمت ہے

اور حکمت منزل من اللہ ہے تو اس سے سنت کا منزل من اللہ اور وحی الہی ہونا بھی ثابت ہو گیا۔ اسی لئے حضور سرور عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکمت کو اللہ کی طرف سے دیئے جانے کی تصریح فرمائی :-

أَلَا إِنِّي أُوتِيتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ
مَعَهُ (ابوداؤد)

ایک اور چیز اس کی مثل دی گئی ہے۔

یہ قرآن کی مثل کیا چیز تھی؟ جس کے متعلق آپ نے فرمایا ”مجھے دی گئی“۔ گویا خود بخود آپ میں وہ چیز موجود نہ تھی۔ بلکہ خدا کی طرف سے تھی۔ وہ چیز حکمت ہی تھی۔ اور حکمت سنت رسول ہے۔ تو معلوم ہوا کہ قرآن کی جو تشریح و توضیح حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔ وہ اللہ کی وحی اور اس کی ہدایت کے ماتحت ہوتی تھی جب وہ اللہ کی ہدایت کے ماتحت ہوتی تھی۔ تو پھر اس کا دین کا جزو اور مامور بہ ہونا بالکل ظاہر بات ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ جس طرح قرآن مجید کو ماننا ضروری ہے۔ اسی طرح سنت رسول کو ماننا اور اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے اور سنت کے بغیر قرآن نامکمل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مکرین حدیث در اہل منصب نبوت و رسالت کے مکر ہیں۔ اسی لیے وہ یہ کہتے ہیں کہ رسول کا کام صرف اللہ کی وحی کو پہنچانے کا ہے۔

رسول کا مرتبہ و مقام

تمک پہنچا دینا ہے اور بس۔ باقی رہے اس کے اقوال و افعال یہ دین نہیں ہیں۔ لیکن قرآن صاف لفظوں میں ان کے اس کافرانہ نظریہ کی تردید کرتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ رسول کا کام صرف پیغام پہنچا دینا ہی نہیں ہے بلکہ پیغام الہی کے معانی و مفہوم۔ تشریح و مطالب کو بیان کرنا بھی اس کا فرض ہے۔ رسول صرف قاصد ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ مطلع ہادی، امام مرتبی، حاکم مجتہد، نذیر، سراج منیر، صاحب حکمت، صاحب خلق عظیم، صاحب مقام محمود۔ مجتبیٰ، مصطفیٰ۔ مقبول مبین، شارح، معلم، حکم، مزکی، دہی الی اللہ! آمرونا ہی بھی ہوتا ہے :

رسول کے ان اوصاف جلیلہ پر قرآن مجید کی آیات شاہر ہیں جن کی تفصیل کے لیے دفتر درکار ہے۔ تاہم چند آیات قرآنیہ یہاں درج کی جاتی ہیں جو رسول کے مرتبہ و مقام کی وضاحت کے لیے کافی ہوں گے۔

(۱) مَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بَيِّنَاتٍ
بِإِذْنِ اللَّهِ

(۱) اس آیت میں بتایا گیا کہ رسول کو ماننے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔ یہ نہیں ہے کہ اس کو صرف اللہ کا رسول مان لیا جائے (۲) پھر اطاعت رسول کا حکم جہاں جہاں آیا ہے بالکل مطلق ہے۔ اس میں کوئی قید نہیں ہے کہ فلاں امور میں تو رسول کی اطاعت کرو اور فلاں نہیں۔ جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول ایک حاکم عام ہے جو حکم بھی وہ دے۔ مومنوں کو اس کا ماننا لازمی ہے۔

(۲) قرآن نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت کی طرح ہے۔ رسول کی اطاعت ایک عام انسان کی اطاعت کی طرح نہیں ہے جیسا کہ جاہل کفار کا خیال تھا جو کہتے تھے :-

هَلْ هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ
لَتَوَدَّ أَكْثَرُهُمْ أَنْ تُسَلَّطَ عَلَيْهِمْ
أَلْفُ مَلَكٍ مِّنْ سَمَوَاتٍ
وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

کیا یہ تم جیسا ایک بشر نہیں ہے۔
اگر تم نے اپنے جیسے ایک بشر کی اطاعت کی۔
تو تم ضرور ٹوٹے میں رہو گے۔

۲۰۔ وہاں نے جاہل کفار کے اس خیال کی تردید کر دی اور مومنین کو یہ اطمینان دلایا کہ رسول کی اطاعت عام انسانوں کی اطاعت کی طرح نہیں بلکہ دراصل خدا کی اطاعت ہے۔

مَنْ يَطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ
أَطَاعَ اللَّهَ - جس نے رسول کی اطاعت کی۔ اسی نے اللہ کی اطاعت کی۔

۲۱۔ قرآن نے یہ بھی بتایا ہے کہ رسول من جانب اللہ امام اور ہادی ہوتا ہے اور ہر اختلاف اور نزاع کی صورت میں رسول کو حکم بنانا اسی طرح ضروری ہے جس طرح خدا کو :

وَجَعَلْنَا هُمُ أَيْمَةً لِلْعَالَمِينَ
بِأَمْرِنَا - ہم نے انبیاء کو ہدایت کا امام بنایا ہے۔ وہ ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے ہیں۔

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ
وَأُولَى الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى
اللَّهِ وَالرَّسُولِ - اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اولی الامر کی جو تم میں سے ہوں۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی بات میں نزاع ہو۔ تو اس میں اللہ و رسول کی طرف رجوع کرو۔

مَرْدُوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ كَانْفَرَهُ خَاص طُورٍ بِقَابِلٍ غُورٍ هِيَ - مسائل شرعی میں جب مسلمانوں کے درمیان اختلاف واقع ہو تو حکم ہے کہ خدا اور رسول کی طرف رجوع کریں۔ اس میں خدا اور رسول دونوں کو حکم بنانے کا حکم ہے۔ اگر مرجع بالکل قرآن مجید ہوتا تو مَرْدُوهُ إِلَى اللَّهِ کہنا کافی تھا لیکن اس کے ساتھ واللہ والرسول بھی کہا گیا جس میں صاف وضاحت ہے کہ قرآن کے بعد رسول کا طریقہ ہی مرجع ہے اور دین کے اصلی دو جزو قرآن اور حدیث ہی ہیں۔

۴۱۔ قرآن نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو دل و جان سے ماننا اہل ایمان کے لیے فرض ہے بلکہ شرط ایمان ہے۔ جو شخص رسول کے فیصلہ کو نہ مانے وہ بے ایمان ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحْكُمُوا لَكَ
فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ الخ
فَلَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى
اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَسْكَتَ لَهُمُ
الْخَيْرَ مِنْ أَمْرِهِمْ - اے رسول! تیرے رب کی قسم یہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے تمام معاملات میں تمہیں حکم نہ مان لیں۔ کسی مومن مرد اور عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول فیصلہ کر دیں تو پھر ان کو اپنے معاملہ میں خود کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار باقی رہے۔

یہاں کسی زمانہ کی قید نہیں ہے۔ مومن و مومنہ سے صرف عہد نبوی کے مومن مرد و عورت مراد نہیں ہیں بلکہ قیامت تک کے ہیں۔ اُمراً کا لفظ نہایت عام ہے جو ہر قسم کے معاملات پر حاوی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر کام اور ہر بات میں خدا و رسول کے فیصلہ کو تسلیم کرنا فرض ہے۔

(۸) قرآن نے یہ بھی اعلان کیا۔ کہ اللہ کی طرح اس کے رسول کو بھی ساری دنیا کی چیزوں سے محبوب رکھنا ضروری ہے جو ایسا نہ کریں وہ فاسقین سے ہیں اور اللہ کی ہدایت سے محروم ہیں۔ جب اللہ اور رسول کسی کام کی دعوت دیں اور پکاریں تو اس پر لبیک کہنا ہر مومن کے لیے فرض ہے۔

أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ
وَجَهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى
يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ -
(۹) إِنَّمَا يَجِبُ لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا
دَعَاكُمْ

اگر دیہ دنیا، تم کو اللہ اور اس کے رسول اور
اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہے
تو اللہ کے امر (عذاب) کا انتظار کرو۔
اللہ اور اس کا رسول جب تمہیں آواز دیں تو
فوراً لبیک کہو۔

(۱۰) اور یہ بھی کہ مومن وہی ہیں جو اللہ اور رسول کے حکم پر لبیک کہتے ہیں۔ اور اللہ اور رسول دونوں کی اطاعت کرتے ہیں۔

إِنَّمَا كَانَ تَوَلَّى الْمُؤْمِنِينَ إِذَا
دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ
بَيْنَهُمْ أَنْ يُعَتُّوْا سَمِعْنَا
وَأَطَعْنَا

ایمان والوں کو جب اللہ کی طرف اور اس کے رسول
کی طرف بلایا جائے تاکہ اللہ اور رسول ان کے درمیان
فیصلہ دیں۔ تو ان کا جواب سوائے اس کے
کچھ نہیں ہوتا کہ وہ کہیں سمعنا و اطعنا!

(۱۱) قرآن نے یہ بھی بتایا کہ کسی شخص کی کامیابی اور فوز و فلاح کے لیے جس طرح اللہ کی اطاعت ضروری ہے۔ اسی طرح رسول کی اطاعت بھی فرض ہے جس طرح اللہ کی نافرمانی، گمراہی و بدبختی ہے۔ اسی طرح رسول کی نافرمانی کا عمل ہے۔ جس نے اطاعت کی اللہ کی اور اس کے رسول کی

مَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ

فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا

(۱۲) وَمَنْ يُعِصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ

ضَلَالًا مُّبِينًا

اس نے بڑی مراد کو پایا۔
جس نے اللہ اور رسول کی نافرمانی کی۔ وہ کھل ہوئی
گمراہی میں ہے۔

(۱۳) قرآن نے یہ ہدایت بھی دی ہے کہ مسلمانوں کو رسول کی نافرمانی کی کوئی ہمت بھی آپس میں نہیں کرنی چاہیے۔ ایک مومن کا اپنی جان پر جتنا حق ہے اس سے کہیں زیادہ اس کی جان پر نبی کا حق ہے اور اللہ کے ساتھ نبی کو راضی کرنا بھی ضروری بلکہ شرط ایمان ہے۔

اے ایمان والو! جب تم چپکے چپکے بھی کوئی بات کرو۔ تو گناہ زیادتی اور ظلم اور رسول کی نافرمانی کی کوئی بات نہ کرو۔

نبی زیادہ قریب ہے۔ مومنوں کی جانوں سے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ
ثَلَاثَتَنَا جَوَابًا لِأَمْرٍ وَالْعِدَّةِ
وَمَعْصِيَةِ الرَّسُولِ
(۱۲) الشَّيْءُ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ
أَنْفُسِهِمْ

اللہ کے ساتھ اس کے رسول کو بھی راضی کرنا
ضروری ہے۔

(۱۶) قرآن نے ان منافقین کی مذمت بھی کی ہے۔ جو اپنی خود غرضی اور منافقت کی وجہ سے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں کوتاہی کرتے تھے۔

جب ان سے کہا جاتا ہے اے اس کتاب کی
طرف جس کو اللہ نے نازل کیا۔ اور رسول کی
طرف آؤ۔ تو اسے رسول تو دیکھے گا ان منافقوں
کو کہ اعراض کرتے ہیں تیری طرف سے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا
أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ
الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ
صُدُّوًّا

اس آیت میں رسول کی اطاعت کا جس طرح حکم دیا گیا ہے وہ اس امر کی وضاحت کرتا ہے کہ رسول کی اطاعت مستقل طور پر فرض ہے۔ دیکھئے ما انزل اللہ تو کتاب ہے لیکن والی الرسول یہ کتاب نہیں ہے۔ یہ تو رسول کی مستقل طور پر اطاعت کا حکم ہے۔

(۱۷) قرآن نے یہ بھی اعلان کیا کہ کفار و دوزخ میں ڈالے جانے کے بعد جس طرح اللہ کی نافرمانی پر کھنڈ افسوس
لیں گے اسی طرح رسول کی نافرمانی پر بھی افسوس کریں گے۔

جس دن ان کے منہ الٹ الٹ گراگ میں تلے
جائیں گے تو کہتے ہوں گے ہائے کسی طرح ہم نے
اللہ کا حکم مانا ہوتا اور رسول کا حکم مانا ہوتا۔

يَوْمَ تَقَلُّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ
يَقُولُونَ يَلَيْتُنَا أَطَعْنَا اللَّهَ وَ
أَطَعْنَا الرَّسُولَ (احزاب)

اگر رسول کی اطاعت ایک مستقل اطاعت نہیں تھی تو پھر اللہ اور رسول کی اطاعت کو علیحدہ علیحدہ بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

(۱۸) قرآن نے یہ بھی بتایا کہ رسول کی اطاعت غیر مشروط اور غیر محدود طور پر ہے۔ اس میں کسی زمانہ کی قید نہیں ہے اور رسول مستقل طور پر خدا کی طرح مطاع ہے۔ فرق یہ ہے کہ رسول کی اطاعت خدا ہی کے حکم اور از قیاس کی جاتی ہے۔

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ اطاعت کرو اللہ کی اور اُس کے رسول کی۔

یہاں اطیعوا الرسول کو اطیعوا اللہ سے ایک مستقل جملہ کی شکل میں لایا گیا ہے جس سے اس امر کی وضاحت مقصود ہے کہ رسول کی اطاعت بھی مستقل طور پر فرض ہے اور اگر اس کا یہ مطلب ہوتا کہ بس رسول جو کتاب لائے ہیں۔ اس کو مانا جائے تو صرف اطیعوا اللہ کہنا ہی کافی تھا۔ اطیعوا الرسول کے اضافہ کی ضرورت نہ تھی۔

(۱۹) قرآن نے یہ بھی بتایا ہے کہ رسول کی مستقل طور پر اطاعت اس لیے ضروری ہے کہ رسول جو کچھ کہتا ہے۔ وہ خدا کی ہدایت اور اس کی وحی کے ماتحت کہتا ہے۔ وہ اپنے نفس کی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتا۔ اس لیے تم کو مطمئن ہو جانا چاہیے کہ رسول کی پیروی میں کسی قسم کی گمراہی اور غلط روی کا خطرہ نہیں ہے۔

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ وَمَا يَنْطَلِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ
تمہارے صاحب دُعا محمدؐ نہ گمراہ ہوئے اور نہ گمراہ وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے وہ جو کچھ کہتے ہیں وحی سے کہتے ہیں۔ جو ان پر کی جاتی ہے۔

إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ میں ہوئی ضمیر نطق رسول کی طرف لڑتی ہے۔ جس کا ذکر ما یَنْطَلِقُ میں کیا گیا ہے۔ اس آیت میں کوئی اشارہ بھی موجود نہیں ہے کہ نطق رسول کو صرف قرآن کے ساتھ مخصوص کیا جائے۔ یہاں تو ہر اس بات کو وحی الہی قرار دیا گیا ہے۔ جس پر نطق رسول کا اطلاق کیا جاسکتا ہے۔ جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رسول کا نطق (بولنا) خالص وحی سے ہوتا ہے اور اس میں رسول کی خواہش کو قطعاً دخل نہیں ہوتا۔ قرآن نے یہ تصریح اس لیے کی ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ دین سے متعلق رسول کی ہر بات خدا کی طرف سے ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر کسی ایک بات میں بھی یہ شبہ ہو جائے کہ رسول خواہش نفس سے بولتا ہے اور اس کا نطق خدا کی وحی سے نہیں ہے۔ تو پھر تو رسالت پر سے اعتماد اٹھ جائے گا۔ اس لیے قرآن نے وضاحت کر دی کہ رسول کا نطق وحی الہی ہے۔ اس کی زبان سے جو نکلتا ہے خاص خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ یہی بات حضور علیہ السلام نے خود اپنی زبان مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمائی ہے۔

قَوْلَ الَّذِي نَفْسِي بِسِيدِهِ مَا يَخْرُجُ مِنْهُ إِلَّا حَقًّا
مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس سے جو کچھ نکلتا ہے حق ہی نکلتا ہے۔

(۲۰) قرآن نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ اللہ کا اپنے نبی سے عارضی اور وقتی تعلق نہیں ہوتا کہ جب کبھی اس کو اپنے بندوں تک کوئی پیغام پہنچانا ہو اسی وقت یہ تعلق قائم ہو اور اس کے بعد منقطع ہو جائے بلکہ اللہ کا اپنے نبی سے دائمی تعلق ہوتا ہے۔ چنانچہ ذیل کی آیت اس امر پر دال ہے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ أَنْ يُضِلُّوكَ
اے محبوب! اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی۔ تو ان میں سے ایک گروہ تم کو راہ راست

وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَصُدُّونَكَ مِنْ شَيْءٍ وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ۝

سے ہٹا دینے کا ارادہ کر ہی چکا تھا۔ مگر وہ خود اپنے آپ کو گمراہ کرنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے اور تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے (کیونکہ اللہ نے تم پر کتاب اتاری اور حکمت نازل کی اور تمہیں وہ سب کچھ سکھا دیا۔ جو تم نہیں جانتے تھے اور تم پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔

اس آیہ مبارکہ میں تصریح کی گئی ہے کہ حضور علیہ السلام کا نگران اللہ تعالیٰ ہے۔ فضل الہی ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ دائمی طور پر آپ کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ اس لیے حضور علیہ السلام کے تمام اقوال و افعال اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہوتے ہیں۔ اسی مضمون کو اس آیہ مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے۔

وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ

اللہ تعالیٰ تم کو لوگوں کی دست برد سے بچائے گا

اس آیہ کا صرف یہ ہی مطلب نہیں ہے کہ جسم نبوی کو دشمنوں سے محفوظ رکھا جائے گا بلکہ یہ بھی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک اللہ کی حفاظت میں ہے۔ اس لیے نبی کی آنکھیں اور اس کی زبان حق بخیتی اور حق ہی کہتی ہے۔ اور نبی دین سے متعلق جو کچھ فرماتا ہے۔ وہ منشاء ایزدی کی ترجمانی ہوتی ہے۔

ان آیات قرآنیہ نے بتا دیا کہ نبی صرف پیامبر ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ امر و نہی بھی ہوتا ہے۔ اور وہ اپنے قول و عمل سے نازل شدہ کتاب کے احکام کی جو تفسیر و تشریح اور توضیح فرماتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی منشاء کی ترجمانی ہوتی ہے اور دین سے متعلق رسول کا قول و عمل قرآن کی طرح غیر متبدل اور واجب العمل ہوتا ہے۔

وحی متلو و غیر متلو

مکرین حدیث یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو وحی نازل کی۔ وہ قرآن میں بند ہے۔ قرآن مجید کے علاوہ آپ پر کوئی اور وحی نازل ہی نہیں ہوتی تھی۔ لہذا صرف قرآن واجب العمل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال دین اور رعیت نہیں ہیں۔ لیکن ان کا ایسا کہنا عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے۔

اصطلاح شریعت میں وحی ان مطالب و معارف کا نام ہے جو اللہ کی طرف سے انبیاء کرام پر نازل ہوتے ہیں۔ بنیادی حیثیت سے وحی کی تین قسمیں ہیں۔ براہ راست بلا واسطہ خطاب جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دوسرے فرشتے کے واسطے کلام جیسا کہ نزول قرآن کے باب میں ہوا۔ تیسرے ان دونوں طریقوں سے مطالب و احکام کا قلب رسول پر نزول۔ یہ تیسری قسم ہی وہ ہے جس کی روشنی میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے بے شمار امور کی تفصیلی ہدیت و شکل متعین کی اور قرآن کے اجمال کو اس طرح مفصل کر دیا کہ اس پر علم شریعت ایمان ٹھہری۔ مکرین حدیث اسی تیسری قسم کی وحی کو تسلیم نہیں کرتے۔ اور دین کو قرآن تک محدود کر دینے کی نیت سے صرف اس کا انکار ہی کر رہے ہیں۔ بلکہ اس کے خلاف منظم مہم چلا رہے ہیں۔ یہ لوگ اتنی سی بات

نہیں سمجھ پاتے کہ جو قادرِ قدرتِ خدا ہر شے پر قادر ہے اور نہ صرف گنہگار انسانوں بلکہ جانوروں تک صحیح خیالات اور درست فیصلوں کا اہام کرتا رہتا ہے اس کے لیے کچھ مشکل نہیں کہ وہ جیسے چاہے قرآن کے علاوہ بھی اپنے رسول کو خصوصی رہنمائی عطا فرمائے اور قرآن کے اجمال و ابہام کی صحیح ترین تفصیلات یعنی کرنے کے لیے اپنے رسول پر محفوظ و معصوم افکار و ہدایات کسی طرح بھی نازل فرمائے۔ اسی ربانی رہنمائی کو وحی غیر متلو سے موسوم کیا جاتا ہے (یعنی وہ وحی جو قرآن کے علاوہ حضور علیہ السلام پر آئی) اور یہ وحی غیر متلو صحت میں قرآن سے کم نہیں ہے اس لیے قرآن نے کہا کہ رسول جس سے روکے رک جاؤ۔ جس کا حکم دے اس کو مان لو۔ گویا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر وہ بات جو آپ نے دین سے متعلق فرمائی۔ قرآن ہی کے حکم سے واجب القبول ہے۔ ظاہر ہے قرآن یہ حکم ہی دقت دے سکتا ہے جب کہ رسول کریم کے امر و نہی میں قطعاً فعلی کا شائبہ بھی نہ ہو۔ سورہ نحل کی ذیل کی آیت پر غور کیجئے :-

وَادْعِي رَبُّكَ إِلَى السَّجْدِ أَنْ تَحْجِدِي
مِنَ الْجِبَالِ بُسُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا
يَعْرِشُونَ ۝
اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کو وحی کی کہ
پہاڑوں درختوں اور ان جگہوں میں جہاں لوگ
چھت بناتے ہیں گھربنائے۔

غور کیجئے کیا اللہ عزوجل نے شہد کی مکھیوں سے براہِ راست کلام کیا ہو گا یا فرشتہ کے ذریعہ کہلویا ہو گا۔
یہ ان دونوں صورتوں میں سے کوئی سی بھی صورت واقع نہیں ہوتی۔ بلکہ یہاں وہ وحی مراد ہے جو اللہ عزوجل
شعور اور لہجہ و لہجہ پر بلا واسطہ الفاظ وارد فرماتا ہے یہ وحی مکھی تک ہی محدود نہیں بلکہ انسان و حیوان کے صد ہا امور
ایسے ہیں۔ جو اس کے ذیل میں آتے ہیں۔ بس جس اللہ نے مکھی تک کو وحی سے نوازا اس کے لیے آخر کیا دشوار
ہے کہ اپنے آخری نبی کے قلب و ادراک پر وقتاً فوقتاً بلا واسطہ الفاظ مطلب خاصہ و معارف مغویہ کا نزول فرماتا
رہے، چنانچہ یہ مسئلہ صرف عقلی نہیں ہے بلکہ خود قرآن کی نصوص اس کی تائید و توثیق کرتی ہیں۔ ملاحظہ کیجئے :-
سورہ توبہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کی غارِ جنازہ پڑھنے سے ان لفظوں میں منع فرمایا
گیا ہے :-

۱، فَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا ۚ
ان میں سے جو کوئی مرے آپ کہی ان کی غارِ جنازہ
نہ پڑھیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے غارِ جنازہ شروع ہو چکی تھی اور حضور علیہ السلام
اسلام منافقین کی غارِ جنازہ پڑھا کرتے تھے۔ حالانکہ قرآن میں اس سے پہلے نازل ہونے والی ایسی کوئی آیت نہیں
ہے جس میں حضور علیہ السلام کو غارِ جنازہ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہو، اس لیے ماننا پڑے گا کہ غارِ جنازہ کا حکم اس وحی سے
تھا جو قرآن کے علاوہ تھی۔

اسی طرح مسجد کے خطبہ کو لے لیجئے۔ جو ایک دینی عمل اور شرعی حکم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود خطبہ فرماتا

کرتے تھے۔ اور امت میں اسی طرح آج تک جاری ہے۔ سورہ جمعہ میں شکایت کے ضمن میں اس کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا
وَتَرَكَوْكَ فَآثِمًا
جب یہ منافق تجارت یا کھیل کو دیکھتے ہیں۔ تو
اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں اور آپ کو تنہا چھوڑ
جاتے ہیں۔

حالانکہ کوئی قرآنی آیت نہیں دکھائی جاسکتی جس میں اس خطبہ کا حکم ہو۔ پس لازماً یہ ہی ماننا پڑے گا کہ اس کا
مگر اس وحی کے ذریعہ ملا جو قرآن کے علاوہ تھی۔

(۲) اعلیٰ ہذا اذان کو لیجئے غار سے پہلے اذان دی جاتی ہے۔ یہ بھی ایک دینی عمل ہے۔ سورہ جمعہ اور مائدہ
میں بطور حکایت اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۲) وَإِذَا نَادَيْتُمُ إِلَى الصَّلَاةِ
اتَّخَذُوا هَٰهُنَا دَلْعَبًا
جب غار کے لیے اذان دی جاتی ہے تو یہ منافق
اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔

(۳) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے۔ بیت المقدس کے قبلہ ہونے
کے متعلق قرآن حکیم میں کوئی حکم موجود نہیں۔ مگر جب اس قبلہ کو منسوخ کر کے بیت الحرام کعبہ کو قبلہ بنا یا گیا
تو ارشاد ہوا :-

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا
الْأَيْمَنَ لِمَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ
يَقْلِبُ عَلَى عَقِبَيْهِ
جس قبلہ پر آپ تھے اس کو ہم نے صرف اس لیے
مقرر کیا تھا کہ رسول کا اتباع کرنے والے اور
اتباع سے منہ موڑنے والوں کے درمیان امتیاز
ہو جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ پہلے جو بیت المقدس کو قبلہ بنایا گیا تھا وہ اللہ کی وحی کی بنا پر تھا۔

(۴) جنگ اُحد کے موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسلمانوں سے فرمایا۔ اللہ تمہاری مدد کے لیے فرشتے
بھیجے گا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا ذکر قرآن میں اس طرح فرمایا :-

وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ
ثَابِتٌ هُوَ۔ حضور علیہ السلام نے جب مسلمانوں کو فرشتوں کی امداد کی اطلاع دی تھی وہ اس وحی (غیر منلو) سے تھی۔
جس کا ذکر قرآن نے بعد میں کیا۔

(۵) جنگ اُحد کے بعد حضور علیہ السلام نے غزوہ بدر ثانیہ کے لیے لوگوں کو نکلنے کا حکم دیا۔ جس کا ذکر قرآن حکیم میں
نہیں ہے مگر اللہ نے بعد میں تصدیق کی۔ یہ بھی اسی کے جانب سے تھا۔

الَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا وَالرَّسُولِ مِنْ بَيْنِ
جن افراد نے زخم کھانے کے بعد اللہ اور اس کے

بَعْدَ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ

رسول کے حکم کو مانا۔

(۶) حضور علیہ السلام نے صدقات تقسیم کئے، اس پر منافقین نے اعتراضات کئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **خَالِدُوا فِي الْأَرْضِ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْخَالِفِينَ**۔ حالانکہ یہ تقسیم جو رسول نے کی اللہ کے حکم سے کی تھی اور فرمایا: **وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ**۔ اگر وہ راضی ہو جاتے اس حصہ پر جو اللہ اور اس کے رسول نے ان کو دیا۔

(۷) اسی طرح صلح حدیبیہ کا واقعہ تاریخ کا مشہور واقعہ ہے۔ تمام صحابہ کرام نے صلح نہ کرنے کا مشورہ عرض کیا تھا۔ اور صلح کی شرائط ہر ایک کو نہایت دلی ہوئی نظر آتی تھیں۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں شرائط کو جو کفار نے مقرر کی تھیں قبول نہ کیا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ تصدیق فرمائی۔ یہ صلح اللہ کی ہدایت کے ماتحت تھی جس کو صحابہ کرام نہ سمجھ سکے۔ قرآن نے اعلان کیا :-

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا اے رسول ہم نے آپ کو کھل ہوئی فتح عطا کی۔

(۸) حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک زوجہ مطہرہ حضرت حفصہ سے ایک راز کی بات فرمائی اور اس کے اظہار سے منع فرمایا تھا۔ اتفاق کی بات ہے کہ ان سے اس راز کا افشاء ہو گیا۔ حضور علیہ السلام نے اپنی زوجہ مطہرہ سے راز افشاء کرنے کا تذکرہ فرمایا۔ حضرت حفصہ نے عرض کی حضور مَنَ أَبْشَأَكَ آپ کو کس نے خبر دی کہ مجھ سے آپ کا راز افشاء ہو گیا۔ حضور علیہ السلام نے فوراً جواب دیا۔ نَبَأَنِي أَلْعَلِيمُ الْخَبِيرُ (قرآن) مجھے میرے علیم و خبیر رب نے بتایا ہے کہ تم سے میرا راز افشاء ہو گیا ہے، یہ اور اس قسم کی اور بھی متعدد آیات ہیں، جن سے واضح ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یقیناً قرآن کے علاوہ بھی وحی ہوتی تھی۔ اور حضور علیہ السلام دین سے متعلق جو ہدایات فرماتے تھے اور اصول قرآنی کی اپنے قول و عمل سے جو توضیح و تشریح فرماتے تھے۔ وہ بھی وحی ہی سے ہوتی تھی۔ نماز ہی کو لے لیجئے۔ قرآن مجید صرف اَقِمُوا الصَّلَاةَ کہہ کر خاموش ہو جاتا ہے۔ نماز کا طریقہ اس کے آداب و شرائط نہیں بیان کرتا۔ اب یہ امور کس سے معلوم کئے جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي

جیسے میں نماز پڑھوں ایسے ہی تم پڑھو

ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا یہ طریقہ معاذ اللہ اپنے جی سے نہیں گڑھ لیا تھا۔ بلکہ اسی وحی کے ذریعہ متعین فرمایا تھا جو آپ پر قرآن کے علاوہ نازل ہوتی تھی۔ نماز کی تو یہ صرف ایک مثال ہے۔ آپ حقائد، عبادات، معاملات، حرام و حلال، نکاح و طلاق۔ غرضیکہ دین و دنیا کے کسی بھی معاملہ کو لے لیجئے۔ ان کے سمجھنے اور ان کے تفصیلی احکامات جاننے کا مرکز حضور اکرم علیہ السلام ہی کی ذات اقدس بنتی ہے۔ جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ نے اپنے قول و عمل سے قرآن کے اصولی احکام کی توضیح اور اس کے جزئیات کی جو قیمن فرمائی وہ اسی وحی سے فرمائی جو آپ پر قرآن کے علاوہ نازل ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر دین کو سمجھنے کے لیے احادیث نبوی

اعتبار نہ سمجھا جائے۔ تو خود بہت سی آیات کا مفہوم و مطلب مبہم بلکہ بڑی حد تک تشنہ رہ جاتا ہے۔ چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں :-

- (۱) قرآن میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا حکم ہے۔ مگر کیا صرف قرآن مجید سے ان عبادات کے تفصیلی احکام معلوم ہو سکتے ہیں۔ اور آدمی ان احکامات قرآنیہ پر اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق عمل کر سکتا ہے ؟
- (۲) قرآن کریم میں طیب چیزوں کے کھانے کا اصولی حکم دیا گیا ہے۔ کیا صرف قرآن مجید سے حلال و حرام اشیاء کی تفصیل معلوم کی جاسکتی ہے ؟ اگر کہا جائے کہ ہم خود اپنی عقل و فہم سے حرام و حلال کی فہرس بنالیں گے تو کیا جن چیزوں کو ہم حلال یا حرام قرار دیں گے۔ ان کے متعلق ہمیں یہ یقین بھی ہو جائے گا کہ اللہ کے نزدیک بھی ان اشیاء کا یہ ہی حکم ہے۔

(۳) قرآن میں ہے فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاهَا۔ پھر جب زید اس عورت سے اپنی غرض پوری کر چکے۔ تو پھر ہم نے اس کو تمہارے نکاح میں دے دیا۔

دیکھئے یہ قرآن شریف کی آیت ہے مگر کیا صرف قرآن مجید سے یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ یہ زید کون تھے اور یہ عورت کون تھی۔ لامحالہ یہ بات روایات سے ہی معلوم ہوگی (۲) یا مثلاً ارشاد ہے۔

عَبَسَ وَقَوْلِي إِنَّ جَاءَهُ الْأَعْمَىٰ تیوری چڑھائی اور منہ موڑا جب اس کے پاس ایک نابینا آیا۔

کیا صرف قرآن شریف سے یہ بتایا جاسکتا ہے کہ یہ نابینا کون تھے اور اصل واقعہ کیا تھا (۳) اسی طرح سورہ توبہ کی آیت کرئیے۔ اس میں ہے۔

الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَا فِي أَشْيَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ االَّذِينَ كَفَرُوا فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذَا غَرَبَهُ اِذَا غَرَبَهُ اِذَا غَرَبَهُ اگر تم رسول کی مدد نہیں کرو گے تو اس کی مدد کی ہے اللہ نے جب کافروں نے ان کو نکالا۔

کیا صرف قرآن مجید سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ حضور علیہ السلام کو کافروں نے کہاں سے نکالا تھا۔ نیز یہ رفیق غار کون تھے اور کس غار میں آپ رفیق کے ساتھ روپوش ہوئے تھے۔

(۴) وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ اَللّٰهُ نے بہت سے میدانوں میں تمہاری مدد کی۔ (توبہ)

کیا روایات کے انکار کرنے کے بعد ان بہت سے میدانوں کی تفصیل معلوم ہو سکتی ہے ؟

وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِقُوا (توبہ) اللہ کی مہربانی ہوئی ان تینوں پر جن کے معاملہ کو ملوثی رکھا گیا۔

یہ تین شخص کون تھے۔ ان کا معاملہ کیا تھا اور کیوں ملوثی رکھا گیا۔ کیا روایات کے بغیر یہ باتیں حل ہو سکتی ہیں؟
 (۱) اسی سورہ توبہ کی اس آیت پر غور کیجئے ارشاد ہے۔

لَسْتَ بِجِدٍّ اُسِّنَ عَلَى الشَّقَوٰی مِنْ اَدَلِّ
 یُوَفِّرُ اَحَقَّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِ - فِیْهِ بِعَالٍ
 یُحِبُّوْنَ اَنْ یَسْطَلُّوْا
 جس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی۔ اقل دن ہی
 سے یہ مسجد لائق ہے کہ آپ اس میں نماز پڑھیں۔
 اس میں ایسے لوگ ہیں جو طہارت کو پسند کرتے ہیں
 یہ کس مسجد کا ذکر ہے۔ وہ کون لوگ ہیں۔ جن کی اس آیت میں مدح ہے۔ ان کی طہارت پسندی کا کیا
 خاص معیار تھا۔ جس کو اس آیت میں سراہا گیا ہے۔ کیا ان امور کا جواب صرف قرآن سے مل سکتا ہے۔
 (۲) اسی طرح سورہ انفال کی اس آیت کو لیجئے۔

وَ اِذْ یَعِیْذُکُمْ اللّٰهُ اِحْدٰی الطَّائِفَتِیْنِ
 اَنْهَا لَکُمْ
 اور جب اللہ تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ دو جماعتوں
 میں سے ایک تمہارے قبضہ میں آئے گی۔

کیا صرف قرآن سے بتلایا جاسکتا ہے کہ یہ دو جماعتیں کون تھیں؟ اور یہ وعدہ کیا تھا۔ قرآن میں تو ہے نہیں
 تو لا محالہ ماننا پڑے گا کہ کوئی دوسری قسم کی وحی بھی ہوتی تھی۔ اس قسم کی اور بھی مثالیں دی جاسکتی ہیں جو بوجہ
 اختصار چھوڑی جا رہی ہیں۔ ان آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کے احکام معلوم کرنے اور قرآن
 کو سمجھنے سمجھانے کے لیے روایات و احادیث کا دامن تھامنا ناگزیر ہے۔

صحابہ کرام کا سنت نبوی سے استدلال و امثال

یہ ہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام
 خلفائے راشدین نے اپنے
 ہر عمل و حرکت کا محور قات نبوی کو قرار دیا۔ اور ہر مسئلہ اور ہر فیصلہ کا مدار حضور علیہ السلام ہی کے ارشادات
 کو رکھا۔ اس سلسلہ میں اگر وہ تمام واقعات پیش کئے جائیں تو اس کے لیے دفتر درکار ہے۔ دو ایک واقعات
 بطور مثال پیش کر کے ہم اس مضمون کو ختم کرتے ہیں :-

(۱) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب قرآن مجید سے کسی قضیہ کا فیصلہ نہ ملتا تو آپ سنت ہی
 سے فیصلہ فرماتے تھے پھر اگر اس معاملہ میں ان کو سنت یاد نہ ہوتی تو صحابہ کرام سے کہا کرتے تھے کہ تم کو معلوم
 ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ میں کوئی فیصلہ دیا ہو۔ جب صحابہ میں سے کوئی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
 کا فیصلہ بتا دیتے تو اس پر حضرت صدیق اکبر فرماتے :-

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ فِیْہَا مِنْ یَحْضُرُ
 عَنْ بَیِّنَاتٍ (تاریخ الخلفاء مصری ص ۳۱)
 خدا کا شکر ہے جس نے ہم میں ایسے لوگ بھی
 بنائے ہیں جو ہمارے نبی کی باتیں یاد رکھتے ہیں

(۲) صحابہ کرام کو سب سے پہلی مشکل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین کے متعلق پیش آئی کہ حفصہ
 کا جانشین کس کو مقرر کیا جائے۔ اس مسئلہ کا حل بھی صحابہ نے سنت نبوی میں تلاش کیا۔ حضرت علی

جب خود حضور علیہ السلام نے صدیق اکبر کو نماز کے لیے امام مقرر فرمایا تو جس کو آپ نے ہمارے دین کے لیے
 پسند کیا ہم نے اس کو اپنی دنیا کے لیے بھی پسند کیا (طبقات ابن سعد)
 ۲۔ وصال نبوی کے بعد دوسرا مرحلہ حضور علیہ السلام کے دفن کا تھا۔ جب صحابہ کرام میں اختلاف آرا ہو ا تو
 سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہر نبی اپنی
 خواب گاہ میں دفن ہوتا ہے۔ جہاں اس کی وفات ہوتی ہے۔ یہ حدیث سن کر سب اختلافات ختم ہو گئے
 صحابہ کرام نے اپنی ذاتی آرا کو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے جھکا دیا۔
 ۳۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن کو یکجا کرنے کا مشورہ دیا تو جناب صدیق اکبر نے فرمایا :-
 كَيْفَ أَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ میں وہ کام کیسے کروں جو رسول اللہ صلی اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔
 یہی جواب دیگر صحابہ نے دیا حتیٰ کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا شرح صدر ہوا اور آپ نے حضرت
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورہ کو مان لیا۔ اس واقعہ سے اتنا ثابت ہوا کہ صحابہ کرام ہر اقدام سے پہلے سنت رسول
 شل کرتے تھے۔

۴۔ سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا نے میراث طلب کی تو حضرت صدیق اکبر نے فرمایا۔ میں نے حضور اکرم صلی اللہ
 علیہ وسلم سے سنا ہے۔ اِنَّ النَّبِيَّ لَا يُورِثُ بَنِي كَيْسٍ كُوَيْسٍ مِّتْرَوَاتٍ مِّنْ دَارِثٍ نَّهْنٍ بَنَاتٍ۔ اس کے
 بعد فرمایا :-

فَاِنِّيْ اَخْشَىٰ اَنْ تَرَكَتُ شَيْئًا مِّنْ اَمْرِهٖ
 اَنْ اَمْنِيْغَ (مسند احمد جلد ۱ ص ۲۱۰)۔ یہی جلد ۱ ص ۲۱۰
 میں ڈرتا ہوں کہ آپ کے حکم میں سے کسی کو چھوڑ
 دوں گا تو بھٹک جاؤں گا۔
 نہ صرف یہ بلکہ یہاں تک فرمایا :-

كُنْتُ تَارِكًا شَيْئًا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْمَلُ بِهِ
 اَلَا عَمَلُهُ (مسند احمد جلد ۱ ص ۲۱۰) منتخب
 میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعمال
 شریفیہ سے کوئی عمل ایسا نہ چھوڑوں گا۔
 جس پر عمل نہ کروں۔

(کنز العمال جلد ۲ ص ۱۲۸)

دیکھئے خلیفہ راشد سیدنا امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو مرکز طاعت بھی تھے۔ قضیہ وراثت
 میں سنت نبویہ سے فیصلہ فرمایا اور قرآن مجید کی آیت میراث سے میراث بنی کے معاملہ کو مستثنیٰ قرار دیا اور سنت پر
 عمل کر کے یہ بتا دیا کہ قرآن مجید کی آیت میں میراث کا حکم عام مسلمانوں کے لیے ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 نے اسے نہیں سہا اور یہ کہ اسول قرآن کی توضیح و تشریح صرف سنت رسول علیہ السلام ہی سے ہو سکتی ہے۔
 ۹۰۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماتحتی میں ایک لشکر شام کی بہم پر

بھیجنے کا حکم فرمایا تھا۔ کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ اور حالات بدل گئے۔ قبائل عرب مرتد ہونے لگے جو منافق تھے وہ سازشوں میں مصروف ہو گئے۔ اجلہ صحابہ کرام کی رائے یہ ہوئی کہ ایسے نازک اور پُر فتن موقع پر مرکز اسلام مدینہ منورہ سے لشکر کو علیحدہ کرنا اور مرکز کو خالی کر دینا قرین مصلحت نہیں ہے۔ اس وقت تو مدینہ منورہ دار الحکومت کو ہر طرح مضبوط رکھنے کی ضرورت ہے۔ جیب بایر کے حالات سازگار ہو جائیں تب اس لشکر کی روانگی عمل میں لائی جائے۔ لیکن سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ یہ ٹھیک ہے کہ حالات نا سازگار ہیں۔ مگر ماحول کے پُر فتن دباؤ کے باوجود لشکر اسامہ ضرور روانہ ہو گا اور اس لیے روانہ ہو گا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ہے : **اَنْفِذْ ذَا جَيْشِ اسَامَةَ**۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پُر جوش لہجہ میں مزید فرمایا۔ بخدا اگر مجھے یہ یقین ہو جائے کہ اس لشکر کے روانہ کر دینے کی بنا پر مرکز کمزور ہو جائے گا اور درندے اگر مجھے کھا جائیں گے۔ تو بھی حکم نبوی علیہ السلام کی تعمیل ضرور کروں گا۔

اِنَّمَا اَنَا مُنْفِذٌ لِّاَمْرِ رَبِّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (منتخب کلمات جلد ۴ ص ۱۸۲) علیہ وسلم کا حکم نافذ کر رہا ہوں۔

دیکھئے ماحول کا تقاضا تھا کہ لشکر اسلام مرکز کی مضبوطی کے لیے مدینہ میں موجود رہے۔ اجلہ صحابہ کی رائے بھی یہ ہی تھی۔ مگر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم نبوی (حدیث) میں ذرا بھی رد و بدل نہ کیا۔ غرضیکہ اس نوع کے ایک دو نہیں سیکنڈوں واقعات ہیں۔ جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ خلفاء اربعہ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے ہر موقع اور ہر عمل پر سنت نبوی کو مشعل راہ بنایا اور ہر حادثہ و ہر معاملہ میں سنت رسول سے ہدایت حاصل کی۔ بلکہ سنت رسول کے مطابق کاروبار خلافت انجام دینے کی شرط پر بیعت تک کی۔ جب سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت ہوئی تو صحابہ کرام نے بایں لفظ بیعت کی۔ **نَبَايَعُكَ عَلَى كِتَابِ اللّٰهِ وَسُنَّتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ**۔ ہم آپ کے ہاتھ پر اس شرط پر بیعت کرتے ہیں کہ آپ کتاب اللہ، سنت رسول اور دونوں سابق خلیفوں کے طریقہ پر عمل کریں گے۔

قرآن حکیم نے انہیں صحابہ کرام کے راستہ پر چلنے کا حکم دیا اور فرمایا :- **مَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ تُولِيَهُ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَكَانَتْ مَصِيْرًا** جو مومنین (صحابہ کرام) کے راستہ سے الگ راستہ اختیار کرے تو ہم کو اسی راستے پر چلنے دیں گے اور انجام کار اس کو جہنم میں داخل کریں گے جو برا ٹھکانہ ہے۔

اس آیت میں مومنین سے مراد یقیناً صحابہ کرام ہیں۔ انہیں کے راستہ پر چلنے کی قرآن کریم تاکید کر رہا ہے اور ان کے خلاف چلنے والے کو جہنمی قرار دے رہا ہے اور سبیل صحابہ یہی تھی کہ دو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دی جانتے تھے دین و دنیا کے ہر مسئلہ اور ہر حادثہ میں سنت نبوی کا اتباع کرتے تھے۔

قصیدہ برن شریف

قصیدہ برودہ شریف حضور سرور کائنات علیہ التسلیم والصلوات کی مدح و ثنا پر مشتمل اشعار کا مجموعہ ہے۔ یہ قصیدہ مبارکہ کم از کم نو سو برس یا اس سے کچھ زائد مدت سے صوفیاء و اولیاء میں معمولاً جاری ہے اور بطور وظیفہ پڑھا جاتا ہے۔

قصیدہ برودہ کے مصنف کا نام علامہ شرف الدین محمد بوسیری مصری ہے۔ یہ قریب بوسیر کے رئیس اور علوم عربیہ کے منجبر عالم اور فصاحت و بلاغت میں مشہور و معروف ہے۔ ابدیہ میں اپنی تصانیف سے علمی کی وجہ سے سلاطین اسلام کے مقرب و محبوب تھے اور امرا کی منقبت اور قصیدہ گوئی میں خاص حصہ لیتے تھے اور ان کے اعداؤ کی ہجو میں رجز اور قصائد لکھا کرتے تھے۔

ایک روز آپ دربار سلطانی سے اپنے گھر تشریف لارہے تھے کہ ایک بزرگ ملے اور انہوں نے فرمایا: "بوسیری! تم نے کبھی خواب میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی کی؟" علامہ بوسیر نے نفی میں جواب دیا۔ پس اس جواب کے بعد آپ پر ایک کیفیت طاری ہوئی۔ حضور کے عشق و محبت کا جذبہ اشاعتلاطم ہوا کہ اپنے دل میں حضور کی محبت کے سوا اور کچھ نہ پاتے تھے۔ گھر اگر حب سے تو نصیب جاگے اور اسی شب جہاں جہاں آراؤ محبوب دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے شرف ہوئے۔ آپ نے حضور اکرمؐ کو جس کے جھرمٹ میں اس شان سے دیکھا جیسے چاند ستاروں میں نظر آتا ہے۔ صبح کو جب آنکھ کھلی تو مجتبیٰؐ بڑی سے دل کو برنیز پایا اور اب آپ امراء و سلاطین کی مدح و ثنا کی بجائے حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عالی میں مدحیہ قصیدے لکھنے لگے۔ چنانچہ قصیدہ مضریہ نذریا اسی زمانہ کے لکھے ہوئے ہیں۔

کچھ دن بعد اچانک آپ پر فالج کا حملہ ہوا۔ اور آپ کا نصف حصہ جسم بے کار ہو گیا۔ اس مصیبت کی حالت میں ان کے ضمیر نے مشورہ دیا کہ سرکارِ دو عالم کی شان میں ایک قصیدہ لکھو اور اس کے ذریعہ سے باب الشفا سے اپنے لئے شفا طلب کرو۔

چنانچہ اسی کرب و بے چینی کے عالم میں آپ نے ایک قصیدہ لکھا جس کا نام قصیدہ بردہ ہے قصیدہ لکھنے کے بعد جب سوئے تو خواب میں زیارت سے مشرف ہوئے اور آپ نے اسی عالم رویا میں یہ قصیدہ بارگاہِ نبوت میں پیش کیا جو حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبول فرمایا اور قصیدہ سننے کے بعد حضور نے ان کے فالج زدہ اعضاء پر دست مبارک پھیرا۔ جب آنکھ کھلی تو انہوں نے اپنے آپ کو بالکل صحتیاب پایا۔ اسی خوشی و مسرت میں علامہ بومیری علی الصباح بے اختیار مکان سے باہر آئے۔ راستہ میں حضرت

انہوں نے دیکھتے ہی فرمایا: ”بومیری! مجھے بھی وہ قصیدہ سناؤ جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت میں تم نے تالیف کیا ہے۔“

علامہ بومیری کہتے ہیں اس قصیدہ شریف کا علم سوا میرے کسی کو نہ تھا۔ میں نے عرض کی حضرت کونسا قصیدہ سناؤں۔ میں نے اکثر مدحیہ قصیدے لکھے ہیں۔

فرمایا۔ بومیری! وہی قصیدہ سناؤ جس کا پہلا شعر یہ ہے

أَمِنْ تَذَكُّرِ جِبْرِانٍ بِذِي سَلَمٍ

میں نے حیرت سے عرض کی: ”اے ابوالرجاء! یہ قصیدہ آپ نے کہاں سے یاد کیا۔ یہ قصیدہ

تو میں نے سوائے اپنی سرکار کے کسی کو نہیں سنایا ہے۔“

شیخ ابوالرجاء نے فرمایا:۔

”بومیری! ہاں وہی قصیدہ سناؤ جو تم نے گزشتہ شب بارگاہِ نبوت میں پیش کیا تھا۔ بومیری!

ہیں نے یہ قصیدہ شب گزشتہ ہی سنا ہے۔ تم یہ قصیدہ دربارِ نبوت میں عرض کر رہے تھے اور سرکار اس کو سن کر پسندیدگی کیلئے پھلوں سے بھری ہوئی ڈالی کی طرح ایسے تباہ فرما رہے تھے جیسے وہ ڈالی نسیمِ ریاح کی حرکت سے ہلنے لگتی ہے۔“

علامہ بوسیری کہتے ہیں۔ یہ خواب پاکر میں نے علی الفور یہ قصیدہ ان کو سنایا۔ وہ بہت مسرور ہوئے بس اس کے بعد سارے شہر میں اس قصیدہ کی دعوم مچ گئی۔

صاحب السوار۔ الفردہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ شدہ شدہ اس واقعہ کی اطلاع ملک الطاہر کے وزیر بہاؤ الدین تک پہنچی۔ انہوں نے قصیدہ شریف کی نقل کی اور عمدہ کا کاغذ پر لکھا۔ اس کے بعد سو برسوں کا چنانچہ اس کی برکت سے اس کے بہت سے کام پورے ہوئے۔

پھر سعد الدین فاروقی وزیر موصوف کے فرمان نویس کو آشوبِ چشم ہوا۔ حتیٰ کہ بصارت جاتے رہنے کا اندیشہ ہو گیا خواب میں کسی نے کہا کہ بہاؤ الدین سے قصیدہ بردہ لیکر آنکھوں سے لگاؤ۔

وہ گئے اور خواب بیان کیا۔

بہاؤ الدین نے کہا۔ بردہ تو معلوم نہیں۔ البتہ حضور اکرم سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مدحیہ اشعار کا ایک مجموعہ میرے پاس ہے جو شغلے امراض میں خاص اثر رکھتا ہے۔

چنانچہ سعد الدین نے وہ قصیدہ لیا۔ آنکھوں سے لگایا اور پڑھوا کر سنا علی الفور صحت یاب ہو گئے۔ قارئین کرام کے لئے اس قصیدہ مبارکہ کے چند اشعار مع ترجمہ کے پیش کئے جا رہے ہیں۔

۱۔ إِنَّ الرَّسُولَ لَبَيْفٌ يُّسْتَضَا بِهِ
ترجمہ: حضور پرستہ تلوار ہیں اور اس کی چمک دمک سے
مُسْتَهْدٌ مِنْ سَيُوفِ اللَّهِ مَسْلُوكٌ
نورِ ہدایت عالم میں پھیل رہا ہے۔

۲۔ نَبِيُّنَا الْأَمْرُ وَالنَّاهِي فَلَا أَحَدٌ
ترجمہ: ہمارے نبی حکم دینے والے نہیں فرمانے والے ہیں کہ آپ کا
أَبْرَأُ فِي قَوْلٍ لَا مِثْلَهُ وَلَا نَعَمَ
مثلاً کوئی نہیں صدقِ وعدہ میں اور مانا اور نانا میں۔

وَمَنْ أَيْ أَوَّلُ الْوَسْلِ الْكَرَامِ بِهَا
فَإِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُورِهِ بِهِمْ
ترجمہ: تمام معجزات جو انبیاء کرام سے ظاہر ہوئے وہ
سب ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور پاک کی
لحانیت و تابانیت سے حاصل ہوئے۔

۴۔ قَمِيلُ الْعِلْمِ فِيهِ أَنَّهُ بَشَرٌ
وَأَنَّهُ خَيْرُ خَلْقِ اللَّهِ كُلِّهِمْ
ترجمہ: حضور کے متعلق ہر انتہاء علم یہ ہے کہ وہ بشر ہیں
اور حال یہ ہے کہ وہ تمام مخلوقات الہیہ سے افضل و اعلیٰ ہیں
۵۔ فَإِنَّهُ شَمْسٌ فَضْلُهُمْ كَوَاكِبُهَا
يَطْهَرُونَ الْوَارِدَاتِ بِهَا
ترجمہ: ہمارے حضور فضل و شرف کے سورج ہیں اور
ان کرامات سے آفتاب سے فیض پانے والے
ستارے ہیں جو تاریکی میں روشنی دکھاتے چلے آتے ہیں۔

۶۔ وَكَيْفَ يُدْرِكُ فِي الدُّنْيَا حَقِيقَتَهُ
قَوْمٌ نَبِيًّا تَسْأَلُوا عَنْهُ بِالْحَقِّ
ترجمہ: کوئی دنیا میں حضور کی حقیقت کو کیسے جان
سکتا ہے جب کہ قوم دنیا کے خواب غفلت میں سو رہی ہے
اس کے بعد فرماتے ہیں۔

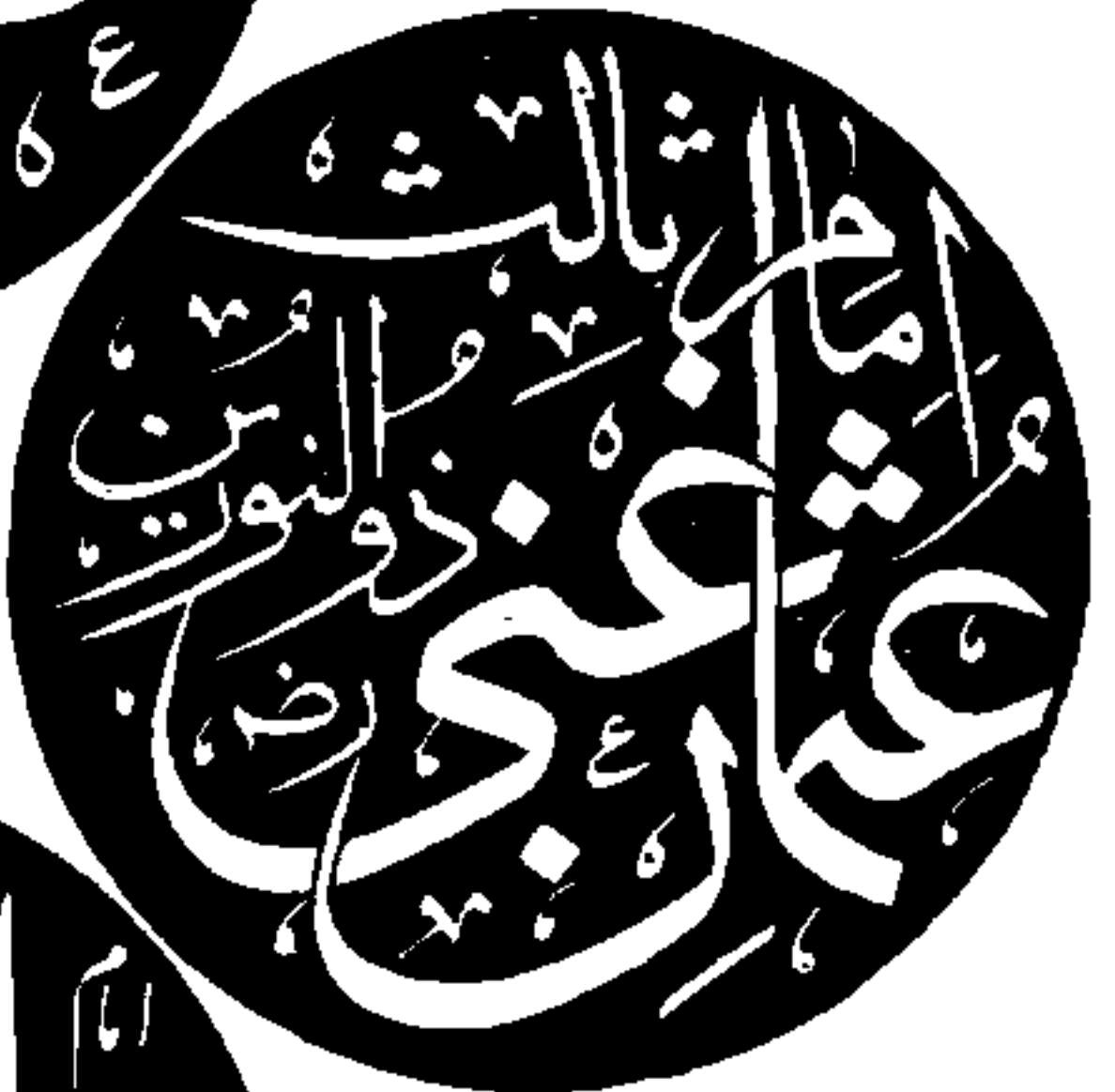
۷۔ دَعَا مَا أَدْعَتْهُ النَّصَارَىٰ فِي كِبَرِهِمْ
وَأَحْكَمَ بِمَا شِئْتَ مَذْهَبًا فِيهِ وَأَحْكَمَ
ترجمہ: بس حضور کی ایسی مدح نہ کر جو علیائہم
نے اپنے نبی کی شان میں کہی کہ (ابن اللہ بناؤ والا)
لیکن اس کے سوا (جو فضل و شرف اور کمال حضور کی ذات اقدس کی طرف منسوب کرنا چاہے)
اور آپ کی مدح میں کہنا چاہے حکم لگا اور فیصلہ کر کے کہہ۔

درد بیماری نہیں دولے بیداری ہے جس سے
قلبی لگاؤ ہوتا ہے درد میں اسی کی یاد آتی ہے۔
(م ر)

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ
رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا
مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي
وُجُوهِهِمْ مِن أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ
مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ شُعْبًا مِّمَّا هُمْ



فِي الْإِنجِيلِ كَرَجٍ أَخْرَجَ شَطَنَةً فَازَرَهُ



فَاسْتَفْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ
الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ
وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ
 وَخَالِ الْيَوْمَ الْآخِرَ
 لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ



حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
 آینه خوبان ہرے دارند تو شہا داری



marfat.com

Marfat.com

نکاح و طلاق سے متعلق — بعض اہم مسائل

عورت کو طلاق کا حق | عاوند کی طرح بیوی کو طلاق دینے کا حق دینا۔ قرآن و حدیث کی صریح لصوص کے خلاف ہے۔ قرآن نے مرد کو قوام قرار دیا ہے۔

الرجال قوامون على النساء
بما فضل الله بعضهم على
بعض وبما انفقوا من
اموالهم۔

مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔ اس فضیلت
کی بنا پر جو ان کے بعض پر دی گئی۔ اور
اس لیے کہ وہ اپنے اموال خرچ
کرتے ہیں۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ بعض ایسی طبعی خصوصیتیں اور قوتیں ہیں، جو صرف مرد کو دی گئی ہیں۔ عورتوں کو نہیں۔ انہیں طبعی قوتوں کی بناء پر مرد اپنے اہل کے نان و نفقہ کا، اولاد کی تربیت اور نمائندان کے تمام امور کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ مرد کی یہ برتری ان کی مشترک زندگی میں سردار حاکمیت کی برتری ہے۔ اور مرد کی ذمہ داریوں کا تقاضا بھی یہی ہے۔ کہ اس کو یہ مقام حاصل ہو۔ چنانچہ اسی برتری کی بناء پر میراث بھی مرد کو ڈبل ملتی ہے اور اس کو تعدد و ازدواج کا اختیار بھی ہوتا ہے۔ اور طلاق کا دینا بھی مطلقاً اس کے اختیار پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

۲۔ قرآن میں جہاں عورت و مرد کے حقوق کا بیان ہے۔ وہاں اس حقیقت کا اظہار بھی واضح نفلوں میں کر دیا گیا ہے۔ کہ عورت و مرد حقوق انسانیت میں برابر ہیں۔ مگر مرد کو بہر صورت عورت پر ترجیح حاصل ہے۔

ولهن مثل الذی علیہن
بالمعروف وللرجال علیہن
درجۃ
عورتوں کے لیے معروف طریقہ پر ویسے
ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق
ان پر ہیں مگر اس کے باوجود مردوں
کو عورتوں پر ایک درجہ حاصل ہے۔

اور وہ یہ ہے کہ عقد نکاح تک تو طرفین کی رضا کا ہونا ضروری ہے۔ مگر مرد کی قوامیت اور اس
درجہ کی بلندی کی وجہ سے اس عقد کو توڑنے کا حق صرف مرد کو ہے۔ عورت مرد سے طلاق مانگ سکتی
ہے۔ مگر از خود جدا نہیں ہو سکتی۔

۳۔ الذی بیدۃ عقدۃ النکاح - ”وہ مرد جس کے اختیار میں عقد نکاح ہے۔“
۴۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن جہاں طلاق دینے کا ذکر آیا ہے۔ تو طلاق کا فاعل صرف مرد کو بنایا گیا
ہے۔ قرآن میں ایک آیت بھی ایسی نہیں ہے جس میں طلاق دینے کی نسبت عورت کی طرف کی گئی ہو

۱۔ فاذا طلقتم النساء ۲۔ ان طلقتم النساء

۳۔ فاذا طلقتم النساء فطلقوهن ۴۔ اذا نکحتم المومنات ثم طلقتموهن

اس کے برعکس اس سلسلہ میں جب عورت کا ذکر آیا ہے۔ تو مطلقات (یعنی وہ ذات جس پر
طلاق واقع ہوئی) سے آیا ہے، تو اگر عورت کو بھی مرد کی طرح طلاق دینے کا حق ہوتا، تو کہیں تو طلاق
کا فاعل عورت کو بنایا جاتا۔

۵۔ اسی طرح سنت نبوی میں ایک بھی ایسی مثال نہیں ملتی جس میں عورت کو طلاق دینے کا
حق تسلیم کیا گیا ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اَلطَّلَاقُ لِمَنْ اَخَذَ السَّاقَ۔ خود یورپ کے ارباب اختیار نے
عورتوں کو طلاق کا حق دے کر اپنے آپ کو مصیبت میں مبتلا کر لیا ہے۔ اور وہاں کے عوام و خواص
اس غیر فطری آزادی دینے کو سخت تشویش کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔

یورپ میں طلاق کا مسئلہ | انگلستان میں شادی کی ناکامی اور طلاق کا مسئلہ کچھ عرصہ سے نازک صورت اختیار کر گیا ہے۔ اگرچہ کلیسا اور دوسرے سوشل ادارے اس پریشان کن مسئلہ کی طرف پُر اثر توجہ دے رہے ہیں۔ مگر اس کا حل تلاش نہیں کر پاتے۔

انگلستان میں ۱۹۴۷ء میں کوئی ساٹھ ہزار طلاقیں ہوئیں۔ یہ تعداد زمانہ جنگ کی سالانہ تعداد سے آٹھ گنا زیادہ تھی۔ اس کے بعد کسی نہ کسی طرح طلاقوں کی بھرمار پر قابو پایا گیا۔ مگر پھر بھی ہر سال تینس ہزار طلاقیں ہو جاتی ہیں۔ نیشنل میریج کائونسل کونسل لندن کے سیکرٹری مسٹر پریشیانے بی بی سی ٹیلی ویژن پر ایک انٹرویو میں کہا ہے کہ :

”اس بیماری کا سب سے بڑا سبب مرد و عورت میں مساوات ہے۔ از روئے قانون ہے، یا رواج، جہاں بھی مرد و عورت مساوی تسلیم کیے جاتے گے۔ اس کا نتیجہ لازمی طور پر شادیوں کی ناکامیوں کی صورت میں نکلتے گا۔“

انگلستان میں عورتیں مرد کی کوئی بات سنا گوارا نہیں کرتیں۔ رعب اور دھونس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جہاں مرد نے ذرا آنکھیں دکھائیں میم صاحبہ طلاق کے لیے جیٹار کے دفتر میں جا پہنچیں۔ برطانیہ کے لاٹ پاوری آپریشن آف کنٹرول نے شادی و طلاق کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے طلاق کے جو اعداد و شمار پیش کیے تھے۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ ستر سالوں میں اس ملک میں طلاقوں میں کس قدر اضافہ ہوا۔

سال	شادیاں	طلاقیں	سال	شادیاں	طلاقیں
۱۸۷۱	۱۹۰۱۱۲	۱۷۱	۱۹۳۳	۲۱۸۱۹۱	۴۰۴۲
۱۹۱۸	۲۶۷۲۱	۵۹۵	۱۹۵۳	۳۴۴۲۸۸	۳۰۳۶۶
۱۹۲۰	۳۷۹۹۸۲	۳۰۹۰	—	—	—

یہ خلاصہ ہے اس مکتوب کا جو نمائندہ تواسے وقت "مقیم لندن نے نوائے وقت" ۲۸ مئی ۱۹۵۶ء میں شائع کرایا۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ عورتوں کو طلاق کا غیر فطری حق دیے جانے سے کتنے بُرے نتائج رونما ہو رہے ہیں۔

پھر وہاں عورتیں اپنے شوہروں کو کس بنا پر طلاق دے دیتی ہیں۔ وہ بھی ملاحظہ فرمائیے :

• میرا خاوند میرے آداب سے واقف نہیں ہے۔

• یہ میری بلی کا بوسہ نہیں لیتا۔

• اس کے چہرے پر نخوست برتی ہے۔

• اس کی غرغراہٹ سے میری نیند میں خلل آتا ہے۔

ایسی مٹھکھ خیز وجوہات کی بنا پر انگلستان کی عورت اپنے خاوند کو ٹھکرا دیتی ہے۔ غور کیجئے، کیا طلاق دینے کی یہ وجوہات کوئی معقولیت رکھتی ہیں؟

اسلام نے اگر طلاق کا حق مرد کو دیا ہے، تو عورت کے مزاج اور اس کی فطرت اور عورت و مرد کے درمیان حقوق و اختیارات کے تناسب کے لحاظ سے ہی دیا گیا ہے۔

بیز اسلام نے ماں نفقہ بچوں کی رضاعت و حضانت کا پورا خرچ مرد پر ہی پڑتا ہے۔ نکاح کے بعد مرد کی ذمہ داریاں عورت سے کہیں زیادہ ہو جاتی ہیں۔ وہ اگر طلاق بھی دیتا ہے، تو بھی عورت کو کچھ دینا ہی پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ عورت کے خاندان کی پوری دشمنی بھی مول لینا پڑتی ہے۔ اس لیے مرد طلاق کا حق استعمال کرنے میں احتیاط سے کام لے گا۔

اس کے برعکس عورت پر نکاح کے بعد کوئی مالی ذمہ داری عاید نہیں ہوتی۔ اس کو ان خطرات کا بھی سامنا نہیں کرنا پڑتا جو مرد کو طلاق کا اختیار استعمال کرنے میں پڑتا ہے۔ اس لیے عورت طلاق کا حق استعمال کرنے میں سخت بے احتیاطی کر سکتی ہے۔ اور ذرا سے خلاف مزاج واقعہ کے ظہور پر بے تکلف طلاق دے سکتی ہے۔

غرضیکہ شرعاً و عقلاً جس لحاظ سے بھی دیکھا جائے۔ عورت کے لیے طلاق کے اختیار کو مطلق

کر دینا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ اگر اس غلط طریقہ کو رائج کر دیا گیا، تو اس سے معاشرہ میں وہ نئے نتائج برآمد ہوں گے۔ جس کا تصور بھی آج ہم نہیں کر سکتے۔

تفویض طلاق | البتہ یہ جائز ہے کہ بوقت نکاح عورت خاوند کی مرضی سے شرط کر لے کہ مجھے طلاق لینے کا حق ہوگا۔ لیکن یہ شرط محض شوہر کی رضا پر موقوف ہے۔ وہ چاہے تو معاہدہ نکاح میں اس شرط کو درج کر دے اور چاہے تو نہ کرے۔ کیونکہ تفویض طلاق کا مطلب یہ ہے کہ اسلام نے شوہر کو طلاق کا جو اختیار دیا ہے۔ وہ چاہے تو اصالتاً یا وکالتاً جسے چاہے سو پ دے۔ اسی طرح عورت کو بھی تفویض کر سکتا ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں مرد پر کسی قسم کا جبر نہیں کیا جاسکتا، اور نہ ایسا کوئی قانون ہی بنایا جاسکتا ہے کہ ہر نکاح کرنے والا معاہدہ نکاح میں تفویض طلاق کی شرط کو ضرور مان لے۔ کیونکہ اگر ایسا کر دیا گیا۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اسلام نے جو اختیار مرد کو دیا ہے۔ وہ اس چھین لیا جائے۔

عورتوں کی مشکلات | اب رہا یہ سوال کہ جب طلاق کا حق صرف مرد ہی کے لیے مخصوص ہے، تو ایسی عورتیں کیا کریں، جن کے شوہر نہ طلاق دیتے ہیں اور نہ ان کے حقوق ادا کرتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کچھ ایسی مظلوم عورتیں موجود ہیں۔ مگر ان کے لیے شریعت نے یہ اصول مقرر کر دیا ہے کہ ایسی عورتیں عدالت میں شکایت کر سکتی ہیں۔ عدالت کا یہ فرض ہے کہ وہ عورت کو نفقہ دلواتے اور اگر شوہر کسی طرح بھی راضی نہ ہو، تو پھر عدالت شوہر سے جبراً طلاق دلواتے۔ مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ شوہر ہی سے طلاق دلواتی جاتے۔ اگر وہ لاپتہ ہے، تو حکومت تلاش کر دے۔ اگر شوہر عدالت میں حاضر نہیں ہوتا، تو اس کو جبراً عدالت میں حاضری پر مجبور کیا جاتے۔

اسلام کا نظریہ طلاق | واضح رہے کہ اسلامی شریعت نے مرد کا عورت کو طلاق دینا مطلق حیثیت سے جائز رکھا ہے۔ یعنی وہ دخول سے قبل یا دخول کے بعد کسی وقت اور کس وجہ سے بھی عورت کو طلاق دے سکتا ہے۔ وہ اس کا پابند نہیں ہے

کہ وہ طلاق دینے کی وجوہات بتاتے یا اس گلی رجسٹری وغیرہ کراتے۔ مرد کو یہ حق اسی لیے ہے کہ امور زوجیت میں مرد قوام کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس پر عورت کا مہر لازم ہوتا ہے۔ شادی کے اخراجات برداشت کرنا ہے عقد کیا تھا ہی بیوی کا نان نفقہ اس پر فرض ہو جاتا ہے۔ اس پر اور ہونے والی اولاد پر خرچ کرنا اسی کے ذمہ ہوتا ہے۔ ان گراں بہا اہم ذمہ داریوں کے مقابلہ میں مرد کو غیر مشروط طور پر طلاق کا حق دیا گیا ہے۔

ایک دوسری حیثیت سے اس میں عورت کے لیے بھی بہتری ہے۔ اس لیے کہ مرد پر اس بات کی پابندی کہ وہ طلاق کے اسباب بیان کرے۔ بسا اوقات عورت کی بدنامی اور دوسری شادی سے محرومی کا باعث ہو جاتی ہے۔ پھر جب شریعت نے مرد کو غیر مشروط طور پر طلاق کا حق دیا ہے، تو اس کے مقابلہ میں اس پر کچھ فرائض بھی عاید کیے جاتے ہیں جن کا مقصد عورت کے حقوق کی حمایت اور اس کے مصالح کا لحاظ ہے۔ یعنی جب مرد طلاق دے دیتا ہے، تو اس کے ہمیں عورت کے تعلق سے مرد پر چند ایسی ذمہ داریاں ہیں، جن کو ادا کرنا اس پر لازم ہوتا ہے۔ یہ ذمہ داریاں ایک لحاظ سے عورت کے لیے طلاق سے پیدا ہونے والے نقصانات کا بھی بدل سمجھی جاسکتی ہیں اور دوسری طرف سے یہ مرد کو طلاق کے استعمال سے قبل سوچنے اور غور کرنے پر مجبور کرتی ہے۔

قرآن مجید میں جہاں طلاق کے احکام کا ذکر ہے۔ ان سے مندرجہ ذیل امور کی نشاندہی ہوتی ہے۔

- طلاق دینے کا حق صرف مرد کے لیے ہے۔
- مرد غیر مشروط طور پر طلاق دینے کا حق رکھتا ہے۔ اس کو طلاق کے اسباب بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔
- طلاق کے حق کو استعمال کرنے سے قبل ہر ذی شعور انسان کو لازماً غور و فکر کرنا پڑتا ہے۔ اور وہ انتہائی حالت میں ہی طلاق دیتا ہے۔

• طلاق کے بعد عورت کو جو نقصان پہنچتا ہے۔ مرد کو ہر صورت اس کی تلافی کرنی ہی پڑتی ہے۔

(۱) اگر دخول اور مہر مقرر کرنے سے قبل دی جاتے۔ تو مرد پر منہ دینا واجب ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔

طلاق کی صورتیں

لاجناح علیکم ان تطلقتم النساء
ما لم تمسوهن او تفرسوہن
نریسۃ ۛ و متعوهن علی البیوع
تدرک علی المفترقد ۛ
متاعا بالعرف حقاً علی
المحسنین۔ (بقرہ ۲۳۶)

تم پر کچھ مطالبہ نہیں۔ اگر طلاق دو تم
عورتوں کو جب تک تم نے ان کو مس نہ
لگایا ہو اور کوئی مہر مقرر کیا ہو اور ان کو
کچھ برتنے کو دو۔ مقدور والے پر اس اور نگہ ست
پر اسکے لائق حسب دستور کچھ برتنے کے لیے
یہ واجب ہے بجلاتی والے پر۔

۲۔ اور اگر طلاق دخول سے قبل اور مہر مقرر کرنے کے بعد دی گئی ہے۔ تو نصف مہر دینا واجب ہے۔

وان تطلقتموهن من قبل
ان تمسوهن وقد فرضتم
لہن خریضۃ فنصف ما
فرضتم۔

اور اگر تم نے عورتوں کو بے حیوے طلاق
دے دی اور ان کے لیے مہر مقرر کر
چکے تھے، تو جتنا مہر آٹھا۔ اس کا آدھا
واجب ہے۔

۳۔ اگر دخول کے بعد طلاق دی گئی ہے، تو عورت کو مقدار مہر مقرر ہونے کی صورت میں مندر
شدہ مہر دیا جائے گا۔ درجہ مہر مثل دینا ہو گا۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ شادی کے موقع پر اور اس کے
بعد جن اشیاء کو مرد نے بیوی کی وہ بھی اسے دیدے۔

وان اردتہما استبدال زوج
مکان زوج و اتیتہما احدہن

اگر تم ایک بی بی کے بدلے دوسری
بدن چاہو اور اسے ڈھیروں مال دے

تَنظَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ
شَيْئًا اِتَّأْخُذُوا مِنْهُ بَهْتَانًا
وَاتُّمَامِيْنَا۔
چکے ہو، تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔
کیا اسے واپس لوگے۔ جھوٹ بانڈھ
کر اور صریح جھوٹ سے۔

یہ آیات اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہیں۔ ان میں سے ثابت ہوتا ہے کہ مرد کو غیر مشروط طور پر طلاق دینے کا حق ہے۔ وہ کسی وجہ سے بھی طلاق دے سکتا ہے۔ طلاق کے اسباب بتانے کی ذمہ داری اس پر عاید ہوتی نہیں۔ وہ ایک کو طلاق دے کر دوسری شادی بھی کر سکتا ہے اور عاقل و بالغ مرد کی طلاق بہر صورت لازم و جائز ہو جاتی ہے۔

نیز عورت کی عدت ختم ہونے اور اس کے کسی دوسرے سے نکاح کے قابل ہونے تک اس کا نان و نفقہ سکنی دے۔ اگر مطلقہ حاملہ ہے، تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔

زَوَالَتِ الْاِحْمَالِ اِجْلُهُنَّ
اِنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (رُطْلَاق) ہے۔
اور حاملہ عورت کی عدت وضع حمل

اور اگر حاملہ نہیں ہے تو اس کی عدت تین قمریہ ہے۔ یعنی امام ابو حنیفہ کے نزدیک تین حیض اور امام شافعی کے نزدیک تین طہر اور اگر حائضہ ہے تو اس کی عدت کامل تین ماہ (قمری مہینہ سے) ہے۔

نکاح کی عمر
قرآن و حدیث نے نکاح کے لیے عمروں کا تعین نہیں کیا اور نہ قرآن میں ایک عمر خاص سے پہلے نکاح کو ناجائز ٹھہرانے کے حق میں کوئی دلیل موجود ہے۔

۱۔ فَانْكَحُوا مَا طَابَ لَكُمْ
مِنَ النِّسَاءِ۔
نکاح میں لاؤ جو عورتیں تمہیں پسند آئیں۔

۲۔ وَاَحِلُّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَٰلِكَ عَزَّ
(حرام کے سوا) جو عورتیں ہیں وہ تمہیں حلال ہیں۔

۳. وَالْمَعْصِيَتِ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ اور مسلمان پارسا عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں۔

ان آیات میں صاف و صریح طور پر اپنی پسند سے نکاح کی اجازت دی گئی ہے اور عمر کی قید نہیں لگائی گئی۔ جب قرآن نے عمر کی قید نہیں لگائی، تو کسی کو عمر کی قید لگانے کا کیا حق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک تمام مسلمان کمسنی کے نکاح کے جواز کے قائل رہے ہیں اور سنت نبوی میں تو اس کے جواز کی نظرًا موجود ہیں۔

۱۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی صاحبزادی سیدہ عائشہ کا نکاح بچہ سال حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا۔

۲۔ حضرت علی مرتضیٰ نے اپنی صاحبزادی حضرت ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر سے کم سن میں ہی کیا۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے اپنی صاحبزادی کا نکاح کمسنی میں حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے کیا۔

۴۔ خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بڑکی جب بالغ ہو جائے، تو اس کا نکاح کر دو۔ مبادا وہ کسی فتنہ و خرابی میں مبتلا ہو جائے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ وسلم اور صحابہ کرام کے عمل سے کمسنی کی شادی کا جواز ثابت ہے تو پھر اس کو کیسے ناجائز قرار دیا جاسکتا ہے۔

کمسنی کی شادیاں روکنے کے لیے کسی قانون کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارے معاشرے میں اس کا رواج پہلے ہی بہت کم ہے۔ شادی کسی خاندان میں ایسا ہوتا ہے۔ البتہ عمر مقرر کر دینے میں بہت سی خرابیاں بھی ہیں۔

بعض اوقات کسی خاندان کی ضروری مصلحتیں اس کی متقاضی ہوتی ہیں کہ وہ کمسنی میں اپنے بچوں کی شادی کر دیں۔ عمر کی قید لگانے سے ان کی مصلحتوں کی تکمیل میں رکاوٹ پیدا ہوگی

مثلاً ایک غریب شخص جس کے وسائل بہت کم ہیں اور متعدد بالغ اولادیں موجود ہیں جن سے اسے عہدہ برآ ہونا ہے۔ آج اس کو مناسب رشتہ مل رہا ہے۔ لیکن وہ صرف اس لیے اپنے لڑکے یا لڑکی کی شادی نہیں کر سکتا کہ ان کی عمر میں چند ہفتہ یا چند ماہ یا سال دو سال کی دیر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بعد میں وہ رشتہ ماتحت سے نکل جاتے۔ یا دو سال نہ رہیں۔

اسی طرح ایک شخص بیمار ہے۔ اس کو اپنی زندگی کی کچھ امید نہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ اپنی بالغ لڑکی کا نکاح کر دے تاکہ دنیا سے سکون و آرام کے ساتھ رخصت ہو۔ مگر عمر کا سوال حائل ہوتا ہے۔ وہ نکاح نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد ہو سکتا ہے کہ لڑکی کا کوئی پُرساں حال نہ ہو۔ اور اس کی زندگی شریروں کے ہاتھوں برباد ہو جانے۔

ایک اور شخص ہے اور اس کا لڑکا آوارہ ہے۔ وہ اس کی آوارگی کے سد باب کے لیے اس کی شادی کرنا چاہتا ہے۔ مگر اٹھارہ سال سے پہلے اس کی شادی نہیں کر سکتا۔ اگرچہ اس کا لڑکا غنڈہ بن کر کیوں نہ رہ جائے۔

پھر ہمارے موجودہ معاشرہ کا تقاضا بھی یہ ہے کہ عمر کی قید بالکل نہ لگائی جائے۔ کیونکہ آج عاقبت اسی میں ہے کہ لڑکے یا لڑکی کے سن بلوغ پر جانے کے فوراً بعد نکاح کر دیا جائے۔ نیز ہمارے ملک میں سو لہ سال سے پہلے ہی لڑکیاں بالغ ہو جاتی ہیں۔ عمر کی قید نکلنے کا مطلب یہ ہو گا کہ ان لڑکیوں کی شادی پر تو اعتراض ہے، لیکن اگر وہ کسی دوسرے طریقے سے جنسی تعلقات پیدا کر لیں تو اس پر کوئی اعتراض نہیں رہا یہ سوال کہ لڑکا جوان ہو کر لڑکی کو پسند نہیں کرتا، یا اس کا عکس یا اسی قسم کی اور بھی خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ تو اس کے لیے شریعت نے طلاق مقرر کر دی ہے۔ اگر بالغ ہونے کے بعد زوجین میں نباہ کی شکل نہ ہو سکے۔ تو طلاق لے لی جاتے۔ اور اگر شوہر طلاق نہ دے۔ تو عدالت میں اس سے جبراً طلاق دوائی جاتے۔ پھر اگر نابالغ لڑکی کا نکاح اس کے باپ دادا کے علاوہ کسی دلی نے کر دیا ہے، تو ایسی صورت میں بعد از بلوغ لڑکی کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہے۔ البتہ وقت اس صورت میں پیش آ سکتی ہے جب کہ نابالغ کا نکاح اس کے باپ

یاد دلانے کیا، تو اب لڑکی کو بعد از بلوغ فسخ نکاح کا اختیار نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ باپ دادا کے علاوہ جو ولی نکاح کرے گا۔ اس میں شفقت و محبت کا احتمال ہے۔ یہ ممکن ہے کہ اس ولی نے لڑکی کے مستقبل کی زندگی کے لیے معقول قدم نہ اٹھایا ہو۔ لیکن باپ دادا کی شفقت و محبت کامل ہوتی ہے۔ وہ بہر حال کمسنی میں بھی اپنی لڑکی کا جہان نکاح کریں گے۔ حتی المقدور اس کی مصلحت اور مستقبل کا خیال رکھ کر ہی کریں گے۔ گویا باپ دادا کا کیا ہوا نکاح ایسے ہی ہے۔ جیسے خود بالغ لڑکی اپنی مرضی سے نکاح کر لے۔ پھر جیسے بالغ لڑکی اپنی مرضی سے نکاح کرتی ہے، تو ایسا ہوتا ہے کہ نکاح کے بعد زوجین میں نباہ نہ ہو اور اس صورت میں اس کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں ہے۔ ایسے ہی جب باپ دادا بالغ لڑکی کا نکاح کر دیتے ہیں، تو خوب سوچ سمجھ کر اور لڑکی کے مصالح کا خیال رکھ کر ہی کرتے ہیں۔ اب یہ تو اتفاق ہے کہ جہان ہو کر زوجین میں نباہ نہ ہو سکے۔ اس لیے باپ دادا کا کمسنی میں کیے ہوئے نکاح کو کوئی فسخ نہیں کر سکتا۔ لیکن اس صورت میں بھی عورت کو عدالت میں پیشکامیت کرنے کا حق حاصل ہے کہ میرا خاندان میرے حقوق ادا نہیں کرتا۔ عدالت ثبوت مہیا ہونے کی صورت میں عورت کے حقوق پورے کرتے گی اور بصورت دیگر خاندان سے جبراً طلاق بھی دلا سکتی ہے۔

شرعیہ نے نکاح کے انعقاد کے لیے دو گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول کو کافی قرار دیا ہے۔ جب نکاح ارکان اور شرائط پائے گئے، نکاح لازم و جائز ہو جاتے گا قرآن و سنت نے نکاح کے جواز و لزوم کے لیے فارم نکاح پر زوجین کے دستخط نشان انگوٹھا۔ رجسٹری حلیٰ کہ بوقت نکاح ہر کا ذکر بھی ضروری نہیں بتایا لہذا اس قسم کی شرطوں کو جواز نکاح کے لیے ضروری قرار دینا شریعت اسلامیہ کے خلاف ہے۔

طلاق ثلاثہ | تمام آئمہ کرام و جمہور مسلمین نے قرآن و حدیث سے یہ ہی سمجھا کہ بیک وقت دی گئیں تین طلاقیں۔ تین ہی قرار دی جاتیں گی اور اس عمل سے بیوی شوہر پر حرام ہو جاتی ہے۔ تین طلاق دیے جانے کی صورت میں دوبارہ نکاح بھی نہیں ہو سکتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

کل طلاق جائز الاطلاق الصبی
ہر شخص کی طلاق (خواہ وہ کسی طرح
دی گئی ہو) واقع و نافذ ہو جاتی ہے۔
والمعتویٰ -

مگز بچہ اور دیوانہ کی۔

نیز یہ بات بھی قابل غور و فکر ہے کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں کو ایک قرار دینے کا مقصد کیا ہے؟ یہ کہ طلاق میں کمی ہو جاتے۔ یہ کہ اس طرح طلاق کو لغو قرار دے دیا جاتے۔ لیکن یہ مقصد بھی حاصل نہیں ہو سکتا، کیونکہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں کو ایک تو لا محالہ ماننا پڑے گا اور ایک طلاق سے بھی نکاح ٹوٹ سکتا ہے۔ مذکورہ بالا قانون بن جانے کے بعد لوگ بیک وقت تین تو نہ دیں گے۔ صرف ایک ہی طلاق دے کر عدت گزارنے دیں گے۔ یہاں تک کہ بعد از عدت وہ ایک طلاق سے بائن ہو جاتے گی۔

یا پھر یوں وہ شریعت کی ہدایت کے مطابق طلاق احسن دے کر بیوی کو اپنے نکاح سے خارج کر دیا کریں گے۔

تعد از دواج

یہاں دو باتیں قابل غور ہیں۔ تعد از دواج ممنوع ہے، جواب یہ ہے کہ اسلام میں تعد از دواج

از دواج ممنوع نہیں ہے۔

دوم یہ کہ دوسری شادی کے لیے عدالت کی اجازت جواز نکاح کے لیے ضروری ہے۔ تو اصل یہ ہے کہ شریعت نے نہ عقد اول کے لیے عدالت کی شرط باندھی ہے اور نہ عقد ثانی۔ ثالث و رابع کے لیے اسلام میں ایک مرد کو اس امر کی کھلی اجازت ہے کہ وہ جب چاہے نکاح ثانی و ثالث و رابع کرے۔ چنانچہ قرآن کریم نے جہاں اس مسئلہ کو بیان کیا ہے۔ وہاں بعض پابندیاں تو ضرور عاید کی ہیں۔ لیکن عدالت سے اجازت حاصل کرنے کی کوئی پابندی نہیں لگاتی ہے۔

نکاح کر دو عورتیں تم کو خوش آئیں

نَا نَكْهُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ

دو، دو، تین تین چار چار۔

مثنیٰ و ثلاث و رباع۔

فَاتُحْفَتُمْ اِنْ لَانَعَدْلُوْا فَاَحَدَةً اَوْ اَكْثَرَ اِنْ لَمْ تَكُنْ سَوِيَّةً
تَوَاحِدًا اَوْ اَكْثَرَ اِنْ لَمْ تَكُنْ سَوِيَّةً

ان آیات میں یہ بتایا گیا ہے :

۱۔ بیک وقت چار سے زیادہ شادیاں نہیں ہو سکتیں۔

۲۔ یہ کہ ان بیویوں میں حتی الامکان مساویانہ سلوک کیا جاتے۔

۳۔ یہ کہ اگر عدل نہ ہونے کا اندیشہ لاحق ہو، تو پھر ایک ہی پر اکتفا کیا جاتے۔

انگریز عدالت سے اجازت کی شرط قرآن عاید کرنا چاہتا۔ تو ان کے ساتھ اس کا بھی صاف صاف ذکر دیتا۔ لیکن عدالت سے اجازت کی شرط تو درکنار اس آیت میں اس کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا گیا۔ لہذا عدالت سے اجازت کی پابندی صریحاً قرآن کے خلاف ہے۔ ایک اور قرآن کی آیت ملاحظہ فرمائیے۔

فَاِنْ اَرَادْتُمْ اِسْتِبْدَالَ زَوْجٍ
مَكَانَ زَوْجٍ وَاَتَيْتُمْ اَحَدًا مِنْ
قُنَاثَرَا ذَلٰلًا تَاْخُذُوْا مِنْهُ

اور اگر بہ لانا چاہو ایک عورت کی جگہ
دوسری عورت اور دے چکے ہو ایک
کو بہت مال، تو وہ اس سے واپس

نہ لو۔

یہ آیت دوسری شادی کے جواز کے لیے واضح ہے۔

اگر چاہو تو دوسری شادی کر سکتے ہو۔ مگر پہلی بیوی کو جو اشیاء دے چکے ہو۔ خواہ وہ کتنی ہی قیمتی کیوں نہ ہوں۔ واپس مت لو۔

غور کیجئے قرآن نے وہ جگہ شادی کا ذکر کیا ہے۔ مگر دونوں مقام پر نہ یہ قید ہے کہ عدالت سے اجازت لے کر دوسری شادی کی جائے اور نہ یہ قید ہے کہ عدالت اس امر کا اطمینان کر کے کہ یہ دونوں بیویوں کا خرچ اٹھائے گا۔ اجازت دے۔ اور نہ اس امر کی قید ہے کہ موجودہ بیوی کی اجازت سے دوسری شادی کی جائے۔

نہیجئے کا حکم فرمایا تھا۔ کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ اور حالات بدل گئے۔ قبائل عرب مرتد ہونے لگے جو منافق تھے وہ سازشوں میں مصروف ہو گئے۔ اجلہ صحابہ کرام کی رائے یہ ہوئی کہ ایسے نازک اور پُر فتن موقع پر مرکز اسلام مدینہ منورہ سے لشکر کو علیحدہ کرنا اور مرکز کو خالی کر دینا قرین مصلحت نہیں ہے۔ اس وقت تو مدینہ منورہ دار الخلافہ کو ہر طرح مضبوط رکھنے کی ضرورت ہے۔ جب باہر کے حالات سازگار ہو جائیں تب اس لشکر کی روانگی عمل میں لائی جائے۔ لیکن سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ یہ ٹھیک ہے کہ حالات نامناسب ہو جائیں۔ مگر ماحول کے پُر فتن دباؤ کے باوجود لشکر اسامہ ضرور روانہ ہو گا اور اس لیے روانہ ہو گا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ہے : **اَنْفِذْ ذَا جَيْشِ اسَامَةَ**۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پُر جوش لہجہ میں مزید فرمایا۔ بخدا اگر مجھے یہ یقین ہو جائے کہ اس لشکر کے روانہ کر دینے کی بنا پر مرکز کمزور ہو جائے گا اور درندے اگر مجھے کھا جائیں گے۔ تو بھی حکم نبوی علیہ السلام کی تعمیل ضرور کروں گا۔

اِنَّمَا اَنَا مُنْفِذٌ لِّاَمْرِ رَبِّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (منتخب فرائض جلد ۴ ص ۱۸۳) علیہ وسلم کا حکم نافذ کر رہا ہوں۔

دیکھئے ماحول کا تقاضا تھا کہ لشکر اسلام مرکز کی مضبوطی کے لیے مدینہ میں موجود رہے۔ اجلہ صحابہ کی رائے بھی یہ ہی تھی۔ مگر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم نبوی (حدیث) میں ذرا بھی رد و بدل نہ کیا۔ غرضیکہ اس نوع کے ایک دو نہیں سینکڑوں واقعات ہیں۔ جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ خلفاء اربعہ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے ہر موقع اور ہر محل پر سنت نبوی کو مشعل راہ بنایا اور ہر حادثہ و ہر معاملہ میں سنت رسول سے ہدایت حاصل کی۔ بلکہ سنت رسول کے مطابق کاروبار خلافت انجام دینے کی شرط پر بیعت تک کی۔ جب سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت ہوئی تو صحابہ کرام نے بایں لفظ بیعت کی۔ **نُبَايِعُكَ عَلَى كِتَابِ اللّٰهِ وَسُنَّتِ رَسُوْلِهِ** ہم آپ کے ہاتھ پر اس شرط پر بیعت کرتے ہیں کہ آپ کتاب اللہ سنت رسول اور دونوں سابق خلیفوں کے طریقہ پر عمل کریں گے۔

قرآن حکیم نے انہیں صحابہ کرام کے راستہ پر چلنے کا حکم دیا اور فرمایا :- **مَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيْرًا** جو مومنین (صحابہ کرام) کے راستہ سے الگ راستہ اختیار کرے تو ہم کو اسی راستے پر چلنے دیں گے اور انجام کار اس کو جہنم میں داخل کریں گے جو بُرا ٹھکانہ ہے۔

اس آیت میں مومنین سے مراد یقیناً صحابہ کرام ہیں۔ انہیں کے راستہ پر چلنے کی قرآن کریم تاکید کر رہا ہے اور ان کے خلاف چلنے والے کو جہنمی قرار دے رہا ہے اور سبیل صحابہ یہی تھی کہ وہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ جانتے تھے دین و دنیا کے ہر مسئلہ اور ہر حادثہ میں سنت نبوی کا اتباع کرتے تھے۔

قصیدہ برن شریف

قصیدہ بردہ شریف حضور سرور کائنات علیہ التسلیم والصلوات کی مدح و ثنا پر مشتمل اشعار کا مجموعہ ہے۔
یہ قصیدہ مبارکہ کم از کم نو سو برس یا اس سے کچھ زائد مدت سے صوفیاء و ادویا میں معمولاً جاری ہے اور بطور وظیفہ پڑھا جاتا ہے۔

قصیدہ بردہ کے مصنف کا نام علامہ شرف الدین محمد بوسیری مصری ہے۔ یہ قریہ بوسیر کے رئیس اور علوم عربیہ کے منجر عالم اور فصاحت و بلاغت میں مشہور و معروف ہے۔ ابد بوسیری اپنی سند و نسب سے
عربی کی وجہ سے سلاطین اسلامیہ کے مقرب و محبوب تھے اور امرا کی منقبت اور قصیدہ گوئی میں خاص حصہ لیتے تھے
اور ان کے اعدا کی بجز میں رجز اور قصائد لکھا کرتے تھے۔

ایک روز آپ دربار سلطانی سے اپنے گھر تشریف لارہے تھے کہ ایک بزرگ ملے اور انہوں نے فرمایا:
”بوسیری! تم نے کبھی خواب میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی کی؟“
علامہ بوسیر نے نفی میں جواب دیا۔ بس اس جواب کے بعد آپ پر ایک کیفیت طاری ہوئی۔ حضور
کے عشق و محبت کا جذبہ اتنا مسلط ہوا کہ اپنے دل میں حضور کی محبت کے سوا اور کچھ نہ پاتے تھے۔ گھر اگر جب
سے تو نصیب جاگے اور اسی شب جہاں جہاں آراؤ محبوب دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے
مشرّف ہوئے۔ آپ نے حضور اکرمؐ کو ہر لمحہ کے جھرمٹ میں اس شان سے دیکھا جیسے چاند ستاروں میں نظر آتا
ہے۔ مجمع کو جب آنکھ کھلی تو محبت بڑی سے دل کو بریز پایا اور اب آپ امرا و سلاطین کی مدح و ثنا کی بجائے
حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عالی میں مدحیہ قصیدے لکھنے لگے۔ چنانچہ قصیدہ مضریہ
تذریعہ اس زمانہ کے لکھے ہوئے ہیں۔

کچھ دن بعد اچانک آپ پر فالج کا حملہ ہوا۔ اور آپ کا نصف حصہ جسم بے کار ہو گیا۔ اس مصیبت کی حالت میں ان کے ضمیر نے مشورہ دیا کہ سرکارِ دو عالم کی شان میں ایک قصیدہ لکھو اور اس کے ذریعہ سے باب الشفا سے اپنے لئے شفا طلب کرو۔

چنانچہ اسی کرب دیے چینی کے عالم میں آپ نے ایک قصیدہ لکھا جس کا نام قصیدہ بردہ ہے قصیدہ لکھنے کے بعد جب سوئے تو خواب میں زیارت سے مشرف ہوئے اور آپ نے اسی عالم رویا میں یہ قصیدہ بارگاہِ نبوت میں پیش کیا جو حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبول فرمایا اور قصیدہ سننے کے بعد حضور نے ان کے فالج زدہ اعضاء پر دست مبارک پھیرا۔ جب آنکھ کھلی تو انہوں نے اپنے آپ کو بالکل صحتیاب پایا۔ اسی خوشی و مسرت میں علامہ بومیری علی الصباح بے اختیار مکان سے باہر آئے۔ راستہ میں حضرت

انہوں نے دیکھتے ہی فرمایا: ”بومیری! مجھے بھی وہ قصیدہ سناؤ جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت میں تم نے تالیف کیا ہے۔“

علامہ بومیری کہتے ہیں اس قصیدہ شریف کا علم سوا میرے کسی کو نہ تھا۔ میں نے عرض کی حضرت کونسا قصیدہ سناؤں۔ میں نے اکثر مدحیہ قصیدے لکھے ہیں۔

فرمایا: بومیری! وہی قصیدہ سناؤ جس کا پہلا شعر یہ ہے

أَمِنْ تَذَكُّرِ جِبْرَانٍ سِذِّى سَلَمٍ

میں نے حیرت سے عرض کی: ”اے ابوالرجاء! یہ قصیدہ آپ نے کہاں سے یاد کیا۔ یہ قصیدہ

تو میں نے سوائے اپنی سرکار کے کسی کو نہیں سنایا ہے۔“

شیخ ابوالرجاء نے فرمایا:۔

”بومیری! ہاں وہی قصیدہ سناؤ جو تم نے گزشتہ شب بارگاہِ نبوت میں پیش کیا تھا۔ بومیری!

ہیں نے یہ قصیدہ شب گزشتہ ہی سنا ہے۔ تم یہ قصیدہ دربارِ نبوت میں عرض کر رہے تھے اور سرکار اس کو سن کر پسندیدگی کیلئے پھلوں سے بھری ہوئی ڈال کی طرح ایسے تمایل فرما رہے تھے جیسے وہ ڈالی نسیمِ ریاح کی حرکت سے ہلنے لگتی ہے۔“

علامہ بوسیری کہتے ہیں۔ یہ جواب پاکرمیں نے علی الفور یہ قصیدہ ان کو سنایا۔ وہ بہت مسرور ہوئے بس اس کے بعد سارے شہر میں اس قصیدہ کی دھوم مچ گئی۔

صاحب الشوارہ۔ الفردہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ شدہ شدہ اس واقعہ کی اطلاع ملک الطاہر کے وزیر بہاؤ الدین تک پہنچی۔ انہوں نے قصیدہ شریف کی نقل کی اور عہدِ کارِ قہر میں اس کے بہت سے کام پورے ہوئے۔

پھر سعد الدین فاروقی وزیرِ موصوف کے فرمان نویس کو آشوبِ چشم ہوا حتیٰ کہ بصارت جاتے رہنے کا اندیشہ ہو گیا خواب میں کسی نے کہا کہ بہاؤ الدین سے قصیدہ بردہ بیکر آنکھوں سے لگاؤ۔

وہ گئے اور خواب بیان کیا۔

بہاؤ الدین نے کہا۔ بردہ تو معلوم نہیں۔ البتہ حضورِ اکرم سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مدحیہ اشعار کا ایک مجموعہ میرے پاس ہے جو شغلِ امراض میں خاص اثر رکھتا ہے۔

چنانچہ سعد الدین نے وہ قصیدہ لیا۔ آنکھوں سے لگایا اور پڑھوا کر سنا علی الفور صحت یاب ہو گئے۔

قارئین کرام کے لئے اس قصیدہ مبارکہ کے چند اشعار مع ترجمہ کے پیش کئے جا رہے ہیں۔

۱۔ إِنَّ الرَّسُولَ لَبَيْفٌ يُسْتَضَا بِهِ ترجمہ: حضورِ برہنہ تلوار ہیں اور اس کی چمک دمک سے

مُنْهَدٌ مِنْ سُيُوفِ اللَّهِ مَسْلُوكٌ نورِ ہدایت عالم میں پھیل رہا ہے۔

۲۔ نَبِيْنَا الْأَمْرُ وَالنَّاهِي فَلَا أَحَدٌ ترجمہ: ہمارے نبی حکم دینے والے نہیں فرمانے والے ہیں کہ آپ کا

أَمْرٌ فِي قَوْلٍ لَا مِثْلَهُ وَلَا نَعَمٌ مثل کوئی نہیں صدق وعدہ میں اور ہاں اور نا میں۔

وَمَنْ أَيْقَى الْوَسْلُ الْكَرَامُ بِمَا
قَاتَمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُورِهِ بِرَبِّهِمْ
ترجمہ: تمام معجزات جو انبیاء و کرام سے ظاہر ہوئے وہ
سب ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور پاک کی
لحانیت و تابانیت سے حاصل ہوئے۔

۴۔ قَبْلَ الْعِلْمِ فِيهِ أَتَى بَشَرٌ

ترجمہ: حضور کے متعلق ہوا انتہا علم یہ ہے کہ وہ بشر ہیں

وَأَتَى خَيْرُ خَلْقِ اللَّهِ كُلِّهِمْ

اور حال یہ ہے کہ وہ تمام مخلوقات الہیہ سے افضل و اعلیٰ ہیں

۵۔ كَانَتْ شَمْسُ فَضْلِ هُمْ كَوَاكِبُهَا

ترجمہ: ہمارے حضور فضل و شرف کے سورج ہیں اور

يَطْهَرُونَ الْوَارِدَاتِ بِسَائِرِ سَائِرِ

انہ کے کام اس سے آفتاب سے فیض پانے والے

ستارے ہیں جو تاریکی میں روشنی دکھاتے چلے آ رہے ہیں۔

۶۔ وَكَيْفَ يُدْرِكُ فِي الدُّنْيَا حَقِيقَتَهُ

ترجمہ: کوئی دنیا میں حضور کی حقیقت کو کیسے جان

قَوْمٌ نَبِيًّا تَسْأَلُوا عَنْهُ بِالْحَقِّ

سکتا ہے جب کہ قوم دنیا کے خواب غفلت میں سو رہی ہے

اس کے بعد فرماتے ہیں۔

۷۔ دَعَا مَا أَدْعَتْهُ النَّصَارَى فِي كِبَرِهِمْ

ترجمہ: بس حضور کی ایسی مدح نہ کر جو عیسائیوں

وَأَحْكَمُ بِمَا شِئْتَ مَذْكَافِيهِ وَاحْتِكَمِ

نے اپنے نبی کی شان میں کہی کہ (ابن اللہ بنا ڈالا)

لیکن اس کے سوا (جو فضل و شرف اور کمال حضور کی ذات اقدس کی طرف منسوب کرنا چاہے)

اور آپ کی مدح میں کہنا چاہے حکم لگا اور فیصلہ کر کے کہہ رہا ہے۔

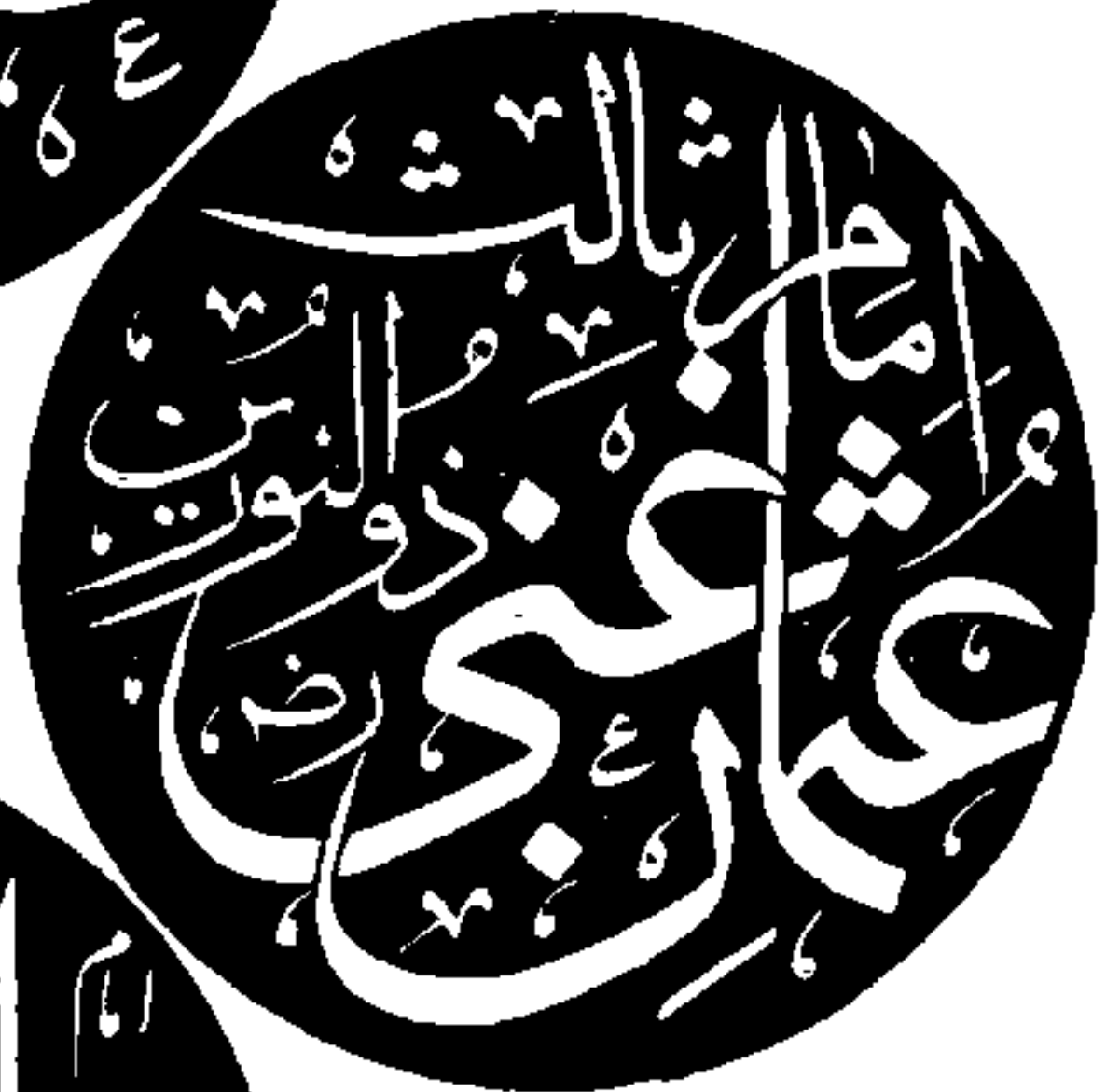
درد بیماری نہیں دولے بیداری ہے جس سے

قلبی لگا و ہوتا ہے درد میں اسی کی یاد آتی ہے۔ (م ر)

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ
رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا
مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي
وُجُوهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ
مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمِثْلَهُمُ



فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْطًا فَازْرَعَهُ



فَأَسْقَافًا فَانْتَوَىٰ عَلَىٰ سَوَاقٍ يُعْجَبُ
الزُّرَّاعُ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارُ
وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ
 وَخَالِهِمْ وَارْحَمْهُمْ
 لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ



حسن یوسف دم علیے یدِ بیضا داری
 آہنچہ خواباں تہہ لہرند تو نشہ داری



marfat.com

Marfat.com

نکاح و طلاق سے متعلق — بعض اہم مسائل

عورت کو طلاق کا حق | عاوند کی طرح بیوی کو طلاق دینے کا حق دینا۔ قرآن و حدیث کی صریح لفظوں کے خلاف ہے۔ قرآن نے مرد کو قوام قرار دیا ہے۔

الرجال قوامون على النساء
بما فضل الله بعضهم على
بعض وبما انفقوا من
اموالهم۔

مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔ اس فضیلت
کی بنا پر جو ان کے بعض پر دے گئی۔ اور
اس لیے کہ وہ اپنے اموال خرچ
کرتے ہیں۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ بعض ایسی طبعی خصوصیتیں اور قوتیں ہیں، جو صرف مرد کو دی گئی ہیں۔ عورتوں کو نہیں۔ انہیں طبعی قوتوں کی بنا پر مرد اپنے اہل کے نان و نفقہ کا، اولاد کی تربیت اور نماندانے تمام امور کا ذمہ دار ہونا ہے۔ مرد کی یہ برتری ان کی مشترک زندگی میں سردار حاکمیت کی برتری ہے۔ اور مرد کی ذمہ داریوں کا تقاضا بھی یہی ہے۔ کہ اس کو یہ مقام حاصل ہو۔ چنانچہ اسی برتری کی بنا پر میراث بھی مرد کو ڈبل ملتی ہے اور اس کو تعدد و ازدواج کا اختیار بھی ہوتا ہے۔ اور طلاق کا دینا بھی مطلقاً اس کے اختیار پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

۲۔ قرآن میں جہاں عورت و مرد کے حقوق کا بیان ہے۔ وہاں اس حقیقت کا اظہار بھی واضح لفظوں میں کر دیا گیا ہے۔ کہ عورت و مرد حقوق انسانیت میں برابر ہیں۔ مگر مرد کو بہر صورت عورت پر وجہ حاصل ہے۔

ولهن مثل الذی علیہن
بالمعروف والرجال علیہن
درجۃ
عورتوں کے لیے معروف طریقہ پر ویسے
ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق
ان پر ہیں مگر اس کے باوجود مردوں
کو عورتوں پر ایک درجہ حاصل ہے۔

اور وہ یہ ہے کہ عقد نکاح تک تو طرفین کی رضا کا ہونا ضروری ہے۔ مگر مرد کی قوامیت اور اس
درجہ کی بلندی کی وجہ سے اس عقد کو توڑنے کا حق صرف مرد کو ہے۔ عورت مرد سے طلاق مانگ سکتی
ہے۔ مگر از خود جدا نہیں ہو سکتی۔

۳۔ الذی بیدۃ عقدۃ النکاح - ”وہ مرد جس کے اختیار میں عقد نکاح ہے۔“
۴۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن جہاں طلاق دینے کا ذکر آیا ہے۔ تو طلاق کا فاعل صرف مرد کو بنایا گیا
ہے۔ قرآن میں ایک آیت بھی ایسی نہیں ہے جس میں طلاق دینے کی نسبت عورت کی طرف کی گئی ہو
۱۔ فاذا طلقتم النساء ۲۔ ان طلقتم النساء
۳۔ فاذا طلقتم النساء فطلقوهن ۴۔ اذا نكحتم المومنات ثم طلقتموهن
اس کے برعکس اس سلسلہ میں جب عورت کا ذکر آیا ہے۔ تو مطلقات (یعنی وہ ذات جس پر
طلاق واقع ہوئی) سے آیا ہے، تو اگر عورت کو بھی مرد کی طرح طلاق دینے کا حق ہوتا، تو کہیں تو طلاق
کا فاعل عورت کو بنایا جاتا۔

۵۔ اسی طرح سنت نبوی میں ایک بھی ایسی مثال نہیں ملتی جس میں عورت کو طلاق دینے کا
حق تسلیم کیا گیا ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ الطَّلَاقُ لِمَنْ أَخَذَ الشَّاقَّ۔ خود یورپ کے ارباب اختیار نے
عورتوں کو طلاق کا حق دے کر اپنے آپ کو مصیبت میں مبتلا کر لیا ہے۔ اور وہاں کے عوام و خواص
اس غیر فطری آزادی دینے کے سخت تشویش کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔

یورپ میں طلاق کا مسئلہ | انگلستان میں شادی کی ناکامی اور طلاق کا مسئلہ کچھ عرصہ سے نازک صورت اختیار کر گیا ہے۔ اگرچہ کلیسا اور دوسرے سوشل ادارے اس پریشان کن مسئلہ کی طرف پُر اثر توجہ دے رہے ہیں۔ مگر اس کا حل تلاش نہیں کر پاتے۔

انگلستان میں ۱۹۴۷ء میں کوئی ساٹھ ہزار طلاقیں ہوئیں۔ یہ تعداد زمانہ جنگ کی سالانہ تعداد سے آٹھ گنا زیادہ تھی۔ اس کے بعد کسی نہ کسی طرح طلاقوں کی بھرمار پر قابو پایا گیا۔ مگر پھر بھی ہر سال تینس ہزار طلاقیں ہو جاتی ہیں۔ نیشنل میریج کائونسل کونسل لندن کے سیکریٹری مسٹر پریشیانے بی بی سی ٹیلی ویژن پر ایک انٹرویو میں کہا ہے کہ :

”اس بیماری کا سب سے بڑا سبب مرد و عورت میں مساوات ہے۔ از روئے قانون ہے، یا رواج، جہاں بھی مرد و عورت مساوی تسلیم کیے جاتے گے۔ اس کا نتیجہ لازمی طور پر شادیوں کی ناکامیوں کی صورت میں نکلتے گا۔“

انگلستان میں عورتیں مرد کی کوئی بات سُننا گوارا نہیں کرتیں۔ رعب اور دھونس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جہاں مرد نے ذرا آنکھیں دکھائیں۔ میم صاحبہ طلاق کے لیے رجسٹرار کے دفتر میں جا پہنچیں۔ برطانیہ کے لاٹ پاوری آپریشن کنٹریری تے شادی و طلاق کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے طلاق کے جو اعداد و شمار پیش کیے تھے۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ ستر سالوں میں اس ملک میں طلاقوں میں کس قدر اضافہ ہوا۔

سال	شادیاں	طلاقیں	سال	شادیاں	طلاقیں
۱۸۷۱	۱۹۰۱۱۲	۱۷۱	۱۹۳۳	۳۱۸۱۹۱	۴۰۴۲
۱۹۱۸	۲۶۷۲۱	۵۹۵	۱۹۵۳	۳۴۴۴۸۸	۳۰۳۶۶
۱۹۲۰	۳۷۹۹۸۲	۲۰۹۰	—	—	—

یہ خلاصہ ہے اُس مکتوب کا جو مائندہ نواسے وقت بمقام لندن نے نوائے وقت "۱۸ مئی ۱۹۵۶ء" میں شائع کرایا۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ عورتوں کو طلاق کا غیر فطری حق دیے جانے سے کتنے بُرے نتائج رونما ہو رہے ہیں۔

پھر وہاں عورتیں اپنے شوہروں کو کس بنا پر طلاق دے دیتی ہیں۔ وہ بھی ملاحظہ فرمائیے :

• میرا خاوند میرے آداب سے واقف نہیں ہے۔

• یہ میری بلی کا بوسہ نہیں لیتا۔

• اس کے چہرے پر نخوت برتی ہے۔

• اس کی خراہٹ سے میری نیند میں خلل آتا ہے۔

ایسی مضحکہ خیز وجوہات کی بنا پر انگلستان کی عورت اپنے خاوند کو ٹھکرا دیتی ہے۔ غور کیجئے، کیا طلاق دینے کی یہ وجوہات کوئی معقولیت رکھتی ہیں؟

اسلام نے اگر طلاق کا حق مرد کو دیا ہے، تو عورت کے مزاج اور اس کی فطرت اور عورت و مرد کے درمیان حقوق و اختیارات کے تناسب کے لحاظ سے ہی دیا گیا ہے۔

بیزا اسلام نے نان نفقہ بچوں کی رضاعت و حضانت کا پورا خرچ مرد پر ہی پڑتا ہے۔ نکاح کے بعد مرد کی ذمہ داریاں عورت سے کہیں زیادہ ہوجاتی ہیں۔ وہ اگر طلاق بھی دیتا ہے، تو بھی عورت کو کچھ دینا ہی پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ عورت کے خاندان کی پوری دشمنی بھی مول لینا پڑتی ہے۔ اس لیے مرد طلاق کا حق استعمال کرنے میں احتیاط سے کام لے گا۔

اس کے برعکس عورت پر نکاح کے بعد کوئی مالی ذمہ داری عاید نہیں ہوتی۔ اس کو ان خطرات کا بھی سامنا نہیں کرنا پڑتا جو مرد کو طلاق کا اختیار استعمال کرنے میں پڑتا ہے۔ اس لیے عورت طلاق کا حق استعمال کرنے میں سخت بے احتیاطی کر سکتی ہے۔ اور اسے خلاف مزاج واقعہ کے ظہور پر بے تکلف طلاق دے سکتی ہے۔

غرضیکہ شرعاً و عقلاً جس لحاظ سے بھی دیکھا جائے۔ عورت کے لیے طلاق کے اختیار کو منتقل

کر دینا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ اگر اس غلط طریقہ کو رائج کر دیا گیا، تو اس سے معاشرہ میں دھڑے نتائج برآمد ہوں گے۔ جس کا تصور بھی آج ہم نہیں کر سکتے۔

تفویض طلاق | البتہ یہ جائز ہے کہ بوقت نکاح عورت خاوند کی مرضی سے شرط کرے کہ مجھے طلاق لینے کا حق ہوگا۔ لیکن یہ شرط محض شوہر کی رضا پر موقوف ہے۔ وہ چاہے تو معاہدہ نکاح میں اس شرط کو درج کر دے اور چاہے تو نہ کرے۔ کیونکہ تفویض طلاق کا مطلب یہ ہے کہ اسلام نے شوہر کو طلاق کا جو اختیار دیا ہے۔ وہ چاہے تو اصالتاً یا وکالتاً جسے چاہے سو پ دے۔ اسی طرح عورت کو بھی تفویض کر سکتا ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں مرد پر کسی قسم کا جبر نہیں کیا جاسکتا، اور نہ ایسا کوئی قانون ہی بنایا جاسکتا ہے کہ ہر نکاح کرنے والا معاہدہ نکاح میں تفویض طلاق کی شرط کو ضرور مان لے۔ کیونکہ اگر ایسا کر دیا گیا۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اسلام نے جو اختیار مرد کو دیا ہے۔ وہ اس چھین لیا جائے۔

عورتوں کی مشکلات | اب رہا یہ سوال کہ جب طلاق کا حق صرف مرد ہی کے لیے مخصوص ہے، تو ایسی عورتیں کیا کریں، جن کے شوہر نہ طلاق دیتے ہیں اور نہ ان کے حقوق ادا کرتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کچھ ایسی مظلوم عورتیں موجود ہیں۔ مگر ان کے لیے شریعت نے یہ اصول مقرر کر دیا ہے۔ کہ ایسی عورتیں عدالت میں شکایت کر سکتی ہیں۔ عدالت کا یہ فرض ہے کہ وہ عورت کو نفقہ دلواتے اور اگر شوہر کسی طرح بھی راضی نہ ہو، تو پھر عدالت شوہر سے جبراً طلاق دلواتے۔ مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ شوہر ہی سے طلاق دلواتی جاتے۔ اگر وہ لاپتہ ہے، تو حکومت تلاش کر دے۔ اگر شوہر عدالت میں حاضر نہیں ہوتا، تو اس کو جبراً عدالت میں حاضری پر مجبور کیا جاتے۔

اسلام کا نظریہ طلاق | واضح رہے کہ اسلامی شریعت نے مرد کا عورت کو طلاق دینا مطلق حیثیت سے جائز رکھا ہے۔ یعنی وہ دخول سے قبل یا

دخول کے بعد کسی وقت اور کسی وجہ سے بھی عورت کو طلاق دے سکتا ہے۔ وہ اس کا پابند نہیں ہے

کہ وہ طلاق دینے کی وجوہات بتاتے یا اس کی رجسٹری وغیرہ کراتے۔ مرد کو یہ حق اسی لیے ہے کہ لہجہ پر زوجیت میں مرد قوام کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس پر عورت کا مہر لازم ہوتا ہے۔ شادی کے اخراجات بڑا کرتا ہے عقد کیساتھ ہی بیوی کا نان نفقہ اس پر فرض ہو جاتا ہے۔ اس پر اور ہونے والی اولاد پر خرچ کرنا اسی کے ذمہ ہوتا ہے۔ ان گراں بہا اہم ذمہ داریوں کے مقابلہ میں مرد کو غیر مشروط طور پر طلاق کا حق دیا گیا ہے۔

ایک دوسری حیثیت سے اس میں عورت کے لیے بھی بہتری ہے۔ اس لیے کہ مرد پر اس بات کی پابندی کہ وہ طلاق کے اسباب بیان کرے۔ بسا اوقات عورت کی بدنامی اور دوسری شادی سے محرومی کا باعث ہو جاتی ہے۔ پھر جب شریعت نے مرد کو غیر مشروط طور پر طلاق کا حق دیا ہے، تو اس کے مقابلہ میں اس پر کچھ فرائض بھی عاید کیے جاتے ہیں جن کا مقصد عورت کے حقوق کی حمایت اور اس کے مصالح کا لحاظ ہے۔ یعنی جب مرد طلاق دے دیتا ہے۔ تو اس کے بھی عورت کے تعلق سے مرد پر چند ایسی ذمہ داریاں ہیں، جن کو ادا کرنا اس پر لازم ہوتا ہے۔ یہ ذمہ داریاں ایک لحاظ سے عورت کے لیے طلاق سے پیدا ہونے والے نقصانات کا بھی بدل سمجھی جاسکتی ہیں اور دوسری طرف سے یہ مرد کو طلاق کے استعمال سے قبل سوچنے اور غور کرنے پر مجبور کرتی ہے۔

قرآن مجید میں جہاں طلاق کے احکام کا ذکر ہے۔ ان سے مندرجہ ذیل امور کی نشاندہی ہوتی ہے۔

- طلاق دینے کا حق صرف مرد کے لیے ہے۔
- مرد غیر مشروط طور پر طلاق دینے کا حق رکھتا ہے۔ اس کو طلاق کے اسباب بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔
- طلاق کے حق کو استعمال کرنے سے قبل ہر ذی شعور انسان کو لازماً غور و فکر کرنا پڑتا ہے۔ اور وہ انتہائی حالت میں ہی طلاق دیتا ہے۔

• طلاق کے بعد عورت کو جو نقصان پہنچتا ہے۔ مرد کو ہر صورت اس کی تلافی کرنی ہی پڑتی ہے۔

طلاق کی صورتیں (۱) اگر دخول اور مہر مقرر کرنے سے قبل دی جاتے۔ تو مرد پر منع دینا واجب ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔

لا جناح علیکم ان تطلقتم النساء
ما لم تمسوهن او تفرنسوهن
نریسۃ ۛ و متعوهن علی الموضع
قدرة ۛ علی المفترقد ۛ
منا عابا لعروف حقا علی
المحسنین - (نفرہ ۲۳۶)

تم پر کچھ مطالبہ نہیں۔ اگر طلاق دو تم
عورتوں کو جب تک تم نے ان کو ہاتھ نہ
لگایا ہو اور کوئی مہر مقرر کیا ہو اور ان کو
کچھ برتنے کو دو۔ مفترقہ والے پر اس اور نگہ ست
پر اس کے لائق محسب دستور کچھ برتنے کے لیے
یہ واجب ہے بھلائی والے پر۔

۲۔ اور اگر طلاق دخول سے قبل اور مہر مقرر کرنے کے بعد دی گئی ہے۔ تو نصف مہر دینا واجب ہے۔

وان تطلقتموهن من قبل
ان تمسوهن وقد فرضتم
لھن خریصۃ فنصف ما
فرضتم -

اور اگر تم نے عورتوں کو بے حیوے طلاق
دے دی اور ان کے لیے مہر مقرر کر
چکے تھے، تو جتنا مہر اتنا۔ اس کا آدھا
واجب ہے۔

۳۔ اگر دخول کے بعد طلاق دی گئی ہے، تو عورت کو مقدار مہر مقرر ہونے کی صورت میں مقرر شدہ مہر دیا جائے گا۔ ورنہ مہر مثل دینا ہوگا۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ شادی کے موقع پر اور اس کے بعد جن اشیاء کو مرد نے بیوی کی وہ بھی اسے دیدے۔

وان اردتھا استبدال زوج
مکان زوج و اتیتھا احدھن

اگر تم ایک بی بی کے بدلے دوسری
بی بی چاہو اور اسے ڈھیر دن مال دے

قنطارا فلا تاخذوا منه
شیئا اناخذونه بهتانا
و انما مینا۔
چکے ہو، تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔
کیا اسے واپس لوگے۔ جھوٹ باز مدھ
کر اور صریح جھوٹ سے۔

یہ آیات اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہیں۔ ان میں سے ثابت ہوتا ہے کہ مرد کو غیر مشروط طور پر طلاق دینے کا حق ہے۔ وہ کسی وجہ سے بھی طلاق دے سکتا ہے۔ طلاق کے اسباب بتانے کی ذمہ داری اس پر عاید ہوتی نہیں۔ وہ ایک کو طلاق دے کر دوسری شادی بھی کر سکتا ہے اور عاقل و بالغ مرد کی طلاق بہر صورت لازم و جائز ہو جاتی ہے۔

عَدَّتْ کی ذمہ داری | نیز عورت کی عَدَّتْ ختم ہونے اور اس کے کسی دوسرے سے نکاح کے قابل ہونے تک اس کا نان و نفقہ سکونی دے۔ اگر مطلقہ حاملہ ہے، تو اس کی عَدَّتْ وضع حمل ہے۔

واولات الاحمال اجلهن
ان یضعن حملهن (طلاق) ہے۔
اور حاملہ عورت کی عَدَّتْ وضع حمل

اور اگر حاملہ نہیں ہے تو اس کی عَدَّتْ تین قرو ع ہے۔ یعنی امام ابو حنیفہ کے نزدیک تین جنین اور امام شافعی کے نزدیک تین طہر اور اگر حاملہ ہے تو اس کی عَدَّتْ کامل تین ماہ (قمری مہینہ سے) ہے۔

نکاح کی عمر | قرآن و حدیث نے نکاح کے لیے عمروں کا تعین نہیں کیا اور نہ قرآن میں ایک عمر خاص سے پہلے نکاح کو ناجائز ٹھہرانے کے حق میں کوئی دلیل موجود ہے۔

۱۔ فَاَنْكَحُوا مَا طَابَ لَكُمْ
من النساء۔
نکاح میں لاؤ جو عورتیں تمہیں پسند
آئیں۔
۳۔ وَاَحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَٰلِكَ عَزَّ
وَجَلَّ (سوا کے) جو عورتیں ہیں وہ تمہیں حلال ہیں۔

۳. وَالْعَصْتِ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ اور مسلمان پارسا عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں۔

ان آیات میں صاف و صریح طور پر اپنی پسند سے نکاح کی اجازت دی گئی ہے اور عمر کی قید نہیں لگائی گئی۔ جب قرآن نے عمر کی قید نہیں لگائی، تو کسی کو عمر کی قید لگانے کا کیا حق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک تمام مسلمان کمسنی کے نکاح کے جواز کے قائل رہے ہیں اور سنت نبوی میں تو اس کے جواز کی نظر اثر موجود ہیں۔

۱. حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی صاحبزادی سیدہ عائشہ کا نکاح بھروسہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا۔

۲. حضرت علی مرتضیٰ نے اپنی صاحبزادی حضرت ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر سے کم سن میں ہی کیا۔

۳. حضرت عبداللہ بن عمر نے اپنی صاحبزادی کا نکاح کمسنی میں حضرت عروہ بن زبیرؓ سے کیا۔

۴. خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بڑکی جب بالغ ہو جائے، تو اس کا نکاح کر دو۔ مبادا وہ کسی فتنہ و خرابی میں مبتلا ہو جائے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ وسلم اور صحابہ کرام کے عمل سے کمسنی کی شادی کا جواز ثابت ہے تو پھر اس کو کیسے ناجائز قرار دیا جاسکتا ہے۔

کمسنی کی شادیاں روکنے کے لیے کسی قانون کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارے معاشرے میں اس کا رواج پہلے ہی بہت کم ہے۔ شادی کسی خاندان میں ایسا ہوتا ہے۔ البتہ عمر مقرر کر دینے میں بہت سی خرابیاں بھی ہیں۔

بعض اوقات کسی خاندان کی ضروری مصلحتیں اس کی متقاضی ہوتی ہیں کہ وہ کمسنی میں اپنے بچوں کی شادی کر دیں۔ عمر کی قید لگانے سے ان کی مصلحتوں کی تکمیل میں رکاوٹ پیدا ہوگی

مثلاً ایک غریب شخص جس کے وسائل بہت کم ہیں اور متعدد بالغ اولادیں موجود ہیں جن سے اسے عہدہ برآ ہونا ہے۔ آج اس کو مناسب رشتہ مل رہا ہے۔ لیکن وہ صرف اس لیے اپنے بڑے یا بڑی کی شادی نہیں کر سکتا۔ کہ ان کی عمر میں چند ہفتہ یا چند ماہ یا سال دو سال کی دیر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بعد میں وہ رشتہ ہاتھ سے نکل جاتے۔ یا وسائل نہ رہیں۔

اسی طرح ایک شخص بیمار ہے۔ اس کو اپنی زندگی کی کچھ امید نہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ اپنی بالغ لڑکی کا نکاح کر دے تاکہ دنیا سے سکون و آرام کے ساتھ رخصت ہو۔ مگر عمر کا سوال حائل ہوتا ہے۔ وہ نکاح نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد ہو سکتا ہے کہ لڑکی کا کوئی پرسان حال نہ ہو۔ اور اس کی زندگی شریعوں کے ہاتھوں برباد ہو جائے۔

ایک اور شخص ہے اور اس کا بڑا کا آوارہ ہے۔ وہ اس کی آوارگی کے سہ باب کے لیے اس کی شادی کرنا چاہتا ہے۔ مگر اٹھارہ سال سے پہلے اس کی شادی نہیں کر سکتا۔ اگرچہ اس کا بڑا کا غنڈہ بن کر کیوں نہ رہ جاتے۔

پھر ہمارے موجودہ معاشرہ کا تقاضا بھی یہ ہے کہ عمر کی قید بالکل نہ لگائی جاتے۔ کیونکہ آج عاقبت اسی میں ہے کہ بڑے یا بڑی کے سن بوجھ پر جانے کے فوراً بعد نکاح کر دیا جاتے۔ نیز ہمارے ملک میں سو لہ سال سے پہلے ہی لڑکیاں بالغ ہو جاتی ہیں۔ عمر کی قید لگاتے کا مطلب یہ ہو گا کہ ان لڑکیوں کی شادی پر تو اعتراض ہے، لیکن اگر وہ کسی دوسرے طریقے سے جنسی تعلقات پیدا کر لیں تو اس پر کوئی اعتراض نہیں رہا یہ سوال کہ بڑا جوان ہو کر لڑکی کو پسند نہیں کرتا، یا اس کا عکس یا اسی قسم کی اور بھی خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ تو اس کے لیے شریعت نے طلاق مقرر کر دی ہے۔ اگر بالغ ہونے کے بعد زوجین میں نباہ کی شکل نہ ہو سکے۔ تو طلاق لے لی جاتے۔ اور اگر شوہر طلاق نہ دے۔ تو عدالت میں اس سے جبراً طلاق دوائی جاتے۔ پھر اگر نابالغ لڑکی کا نکاح اس کے باپ دادا کے علاوہ کسی دلتے کر دیا ہے، تو ایسی صورت میں بعد از بوجھ لڑکی کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہے۔ البتہ وقت اس صورت میں پیش آ سکتی ہے جب کہ نابالغ کا نکاح اس کے باپ

یاد دنانے کیا، تو اب لڑکی کو بعد از بلوغ فسخ نکاح کا اختیار نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ باپ دادا کے علاوہ جو دلی نکاح کرے گا۔ اس میں شفقت و محبت کا احتمال ہے۔ یہ ممکن ہے کہ اس ولی نے لڑکی کے مستقبل کی دشمنی کے لیے معقول قدم نہ اٹھایا ہو۔ لیکن باپ دادا کی شفقت و محبت کامل ہوتی ہے۔ وہ بہر حال کمسنی میں بھی اپنی لڑکی کا جہاں نکاح کریں گے۔ جتنی المقدور اس کی مصلحت اور مستقبل کا خیال رکھ کر ہی کریں گے۔ گریبا باپ دادا کا کیا ہوا نکاح ایسے ہی ہے۔ جیسے خود بالغ لڑکی اپنی مرضی سے نکاح کر لے۔ پھر جیسے بالغ لڑکی اپنی مرضی سے نکاح کرتی ہے، تو ایسا ہوتا ہے کہ نکاح کے بعد زوجین میں نباہ نہ ہو اور اس صورت میں اس کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں ہے۔ ایسے ہی جب باپ دادا نابالغ کا نکاح کر دیتے ہیں، تو خوب سوچ سمجھ کر اور لڑکی کے مصالح کا خیال رکھ کر ہی کرتے ہیں۔ اب یہ توافق ہے کہ جہاں ہو کر زوجین میں نباہ نہ ہو سکے۔ اس لیے باپ دادا کمسنی میں کیے ہوئے نکاح کو کوئی فسخ نہیں کر سکتا۔ لیکن اس صورت میں بھی عورت کو عدالت میں شکایت کرنے کا حق حاصل ہے کہ میرا خاوند میرے حقوق ادا نہیں کرتا۔ عدالت ثبوت مہیا ہونے کی صورت میں عورت کے حقوق پورے کرتے گی اور بصورت دیگر خاوند سے جبراً طلاق بھی دلا سکتی ہے۔

شریعت نے نکاح کے انعقاد کے لیے دو گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول کو کافی قرار دیا ہے۔ جب نکاح ارکان اور شرائط پاتے گئے، نکاح لازم و جائز ہو جائے گا قرآن و سنت نے نکاح کے جواز و لزوم کے لیے فارم نکاح پر زوجین کے دستخط نشان انگوٹھا۔ رجسٹری حتیٰ کہ بوقت نکاح مہر کا ذکر بھی ضروری نہیں بتایا لہذا اس قسم کی شرطوں کو جواز نکاح کے لیے ضروری قرار دینا شریعت اسلام کے خلاف ہے۔

طلاق ثلاثہ | تمام آئمہ کرام و جمہور مسلمین نے قرآن و حدیث سے یہ ہی سمجھا کہ بیک وقت دی گئیں تین طلاقیں۔ تین ہی قرار دی جائیں گی اور اس عمل سے بیوی شوہر پر حرام ہو جاتی ہے۔ تین طلاق دیے جاتے کی صورت میں دوبارہ نکاح بھی نہیں ہو سکتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

کل طلاق جائز الاطلاق الصبی
ہر شخص کی طلاق (خواہ وہ کسی طرح
دی گئی ہو) واقع و نافذ ہو جاتی ہے۔
والمعتویۃ۔

مگر بچہ اور دیوانہ کی۔

نیز یہ بات بھی قابل غور و فکر ہے کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں کو ایک قرار دینے کا مقصد کیا ہے؟ یہ کہ طلاق میں کمی ہو جاتے۔ یہ کہ اس طرح طلاق کو لغو قرار دے دیا جاتے۔ لیکن یہ مقصد بھی حاصل نہیں ہو سکتا، کیونکہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں کو ایک تو لا محالہ ماننا پڑے گا اور ایک طلاق سے بھی نکاح ٹوٹ سکتا ہے۔ مذکورہ بالا قانون بن جانے کے بعد لوگ بیک وقت تین تو نہ دیں گے۔ صرف ایک ہی طلاق دے کر عدت گزارتے دیں گے۔ یہاں تک کہ بعد از عدت وہ ایک طلاق سے بائن ہو جاتے گی۔

یا پھر یوں وہ شریعت کی ہدایت کے مطابق طلاق احسن دے کر بیوی کو اپنے نکاح سے خارج کر دیا کریں گے۔

تعدد ازواج

یہاں دو باتیں قابل غور ہیں۔ تعدد ازواج ممنوع ہے، جواب یہ ہے کہ اسلام میں تعدد ازواج ممنوع نہیں ہے۔

دوم یہ کہ دوسری شادی کے لیے عدالت کی اجازت جواز نکاح کے لیے ضروری ہے۔ تو اصل یہ ہے کہ شریعت نے نہ عقد اول کے لیے عدالت کی شرط باندھی ہے نہ عقد ثانی۔ ثالث در البع کے لیے اسلام میں ایک مرد کو اس امر کی کھلی اجازت ہے کہ وہ جب چاہے نکاح ثانی، ثالث و رابع کرے۔ چنانچہ قرآن کریم نے جہاں اس مسئلہ کو بیان کیا ہے۔ وہاں بعض پابندیاں تو ضرور عاید کی ہیں۔ لیکن عدالت سے اجازت حاصل کرنے کی کوئی پابندی نہیں لگاتی ہے۔

نَاکِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ
نکاح کرو جو عورتیں تم کو خوش آئیں۔

مثنیٰ وثلث وارباع۔ دو، تین، چار، چار۔

فَاتُحْفَتَمَرَان لَا تَقْدُلُوا فَوَاحِدَةً
اگر تم ڈرو کہ ان میں انصاف نہ کر سکو گے
تو ایک ہی نکاح کرو۔

ان آیات میں یہ بتایا گیا ہے :

۱۔ بیک وقت چار سے زیادہ شادیاں نہیں ہو سکتیں۔

۲۔ یہ کہ ان بیویوں میں حتی الامکان مساویانہ سلوک کیا جاتے۔

۳۔ یہ کہ اگر عدل نہ ہونے کا اندیشہ لاحق ہو، تو پھر ایک ہی پر اکتفا کیا جاتے۔

اگر عدالت سے اجازت کی شرط قرآن عاید کرنا چاہتا۔ تو ان کے ساتھ اس کا بھی صاف
صاف ذکر دیتا۔ لیکن عدالت سے اجازت کی شرط تو وہ کنار اس آیت میں اس کی طرف اشارہ
بھی نہیں کیا گیا۔ لہذا عدالت سے اجازت کی پابندی صریحاً قرآن کے خلاف ہے۔ ایک اور
قرآن کی آیت ملاحظہ فرمائیے۔

اور اگر بدلتا چاہو ایک عورت کی جگہ
دوسری عورت اور دے چکے ہو ایک
کو بہت مال، تو وہ اس سے واپس

فَاِنْ ارَادْتَ تَحْدِثَ زَوْجَ
مَكَانِ زَوْجٍ وَاتَّقِمَ اٰهْلًا
قَنَادًا ذَلَا تَاْخُذْ وَامْنًا

نہ لو۔

یہ آیت دوسری شادی کے جواز کے لیے واضح ہے۔

اگر چاہو تو دوسری شادی کر سکتے ہو۔ مگر پہلی بیوی کو جو اشیاء دے چکے ہو۔ خواہ وہ کتنی

ہی قیمتی کیوں نہ ہوں۔ واپس مت لو۔

غور کیجئے قرآن نے درجہ شادی کا ذکر کیا ہے۔ مگر دونوں مقام پر نہ یہ قید ہے کہ عدالت

سے اجازت لے کر دوسری شادی کی جائے اور نہ یہ قید ہے کہ عدالت اس امر کا اطمینان کر کے کہ

یہ دونوں بیویوں کا خرچ اٹھائے گا۔ اجازت دے۔ اور نہ اس امر کی قید ہے کہ موجودہ بیوی کی

اجازت سے دوسری شادی کی جائے۔

اصل یہ ہے کہ تعدد ازواج کے معاملے میں اسلام نے یہ ہدایت تو ضرور کی ہے کہ تمام بیویوں میں عدل و انصاف رکھا جائے اور جو شخص عدل قائم رکھنے کی طاقت نہیں پاتا، وہ ایک پرکٹھا کرے لیکن عدل و انصاف قائم رکھنے کی مرد میں قدرت ہے یا نہیں۔ یہ سب امور مرد کی صولید پر چھوڑ گئے ہیں جب ایک شخص ایک سے زائد شادیاں کر کے کوئی نا انصافی یا حتیٰ قلعی کرتا ہے، تو اسلامی قانون اس صورت میں مداخلت کرتا ہے اور مرد کو اپنی بیویوں کے حقوق مساوی طور پر ادا کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ لیکن اس سے پہلے وہ اس معاملہ میں مداخلت نہیں کرتا کہ مرد عدل و انصاف قائم رکھ بھی سکتا ہے یا نہیں؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسری شادی کی اجازت کے لیے یہ معلوم کرنا کہ مرد اپنی بیویوں میں عدل و انصاف قائم رکھنے کی قدرت رکھتا ہے یا نہیں۔ اس کی ضابطہ بندی ہو ہی نہیں سکتی اور جو شخص اس معاملہ میں کوئی سختی ضابطہ مقرر کرنے کی کوشش کرے گا۔ تو اس کا یہ قدم قانون فطرت کے یقیناً خلاف ہوگا۔

بتائیے آپ کے پاس اس کا کیا ذریعہ ہے کہ ایک شخص کا ذریعہ آمدنی نہ صرف دونوں بیویوں کے لیے کفایت کرے گا۔ بلکہ ان سے پیدا ہونے والے بچوں کے لیے بھی کفایت کرے گا۔ اور یہ کہ دونوں کے لیے یکساں انصاف بھی کرے گا اور یکساں محبت بھی کرے گا۔ یہ کون بتا سکتا ہے کہ اس کتنے بچے ہوں گے اور جو آمدنی آج اس کی ہے، وہ کل بھی رہے گی۔ جو شخص بھی نئی شادی کی اجازت لینے کے لیے عدالت میں جاتے گا۔ وہ تو یہی کہے گا کہ میں دونوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کروں گا۔ دونوں پر جان نثار کروں گا۔ آخر کیسے معلوم کیا جائے گا کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے۔ شادی کے بعد بھی اس پر عمل کرے گا؟ اگر یہ کہا جائے کہ یہ بات تو درست ہے کہ اس معاملہ میں کوئی ضابطہ مقرر نہیں کیا جاسکتا، مگر اس کے مال و اسباب جائیداد اور ذرائع آمدنی کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ دونوں بیویوں کے اخراجات اٹھائے گا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اندازہ کی بنیاد صرف امکان پر ہوگی اور محض امکان کی بنیاد پر کوئی قانون مندرجہ ذیل کے تنازعہ کے لیے وضع نہیں کیا جاسکتا۔ یہ محض ایک امر ہے جو ممکن ہے۔

ذرائع آمدنی قائم رہیں گے اس لیے اس کو دوسری شادی کی اجازت دے دو۔ کہاں کی عقلندی ہے۔ کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ جس شخص کو ذرائع آمدنی نہ ہونے کی وجہ سے دوسری شادی سے روکا جا رہا ہے، شادی کے بعد مالدار ہو جائے۔

پھر اسی شق کو لے لیجئے کہ عدالت اس کے موجودہ ذرائع آمدنی کا جائزہ لے کر اجازت دے گی۔ تو عدالت صرف موجودہ حالت کا ہی جائزہ لے سکتی ہے۔ مگر کیا خبر کہ اس سیکنڈ میں جو اندازہ لگایا گیا ہے، وہ دوسرے سیکنڈ میں بھی وہی رہے گا۔ دراصل سوال اس معاملہ میں موجودہ حالت کا نہیں۔ بلکہ آئندہ حالات کا ہے اور آئندہ حالات کی کیا نوعیت ہوگی؟ شوہر اپنے وعدہ پر قائم رہے گا یا نہیں۔ اس کی آمدنی کے ذرائع بدستور جاری رہیں گے یا ختم ہو جائیں گے۔ یہ کون جاسکتا ہے؟

علاوہ ازیں یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ عدل کا حکم صرف دو بیویوں کیساتف خاص نہیں ہے۔ ایک بیوی ہو تو بھی عدل واجب ہے۔

علاوہ ازیں پھر کیا وجہ ہے کہ جو شخص ایک بیوی اور اس سے پیدا ہونے والی اولاد کی کفالت نہ کر سکتا ہو۔ اس پر کوئی پابندی نہ عاید کی جاتے۔ حالانکہ اصولی طور پر تو صرف ایک نکاح کرنے والے کے لیے بھی عدالت کی اجازت لینا ضروری ہونا چاہیے۔ اور جب تک نکاح کا ہر خواہش مند عدالت کو مطمئن نہ کر دے۔ اس وقت تک کسی کو نکاح کی اجازت نہیں دینی چاہیے۔

عدالتی اجازت کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوگا کہ صرف غریب طبقہ کے لیے تو عقد ثانی کی ممانعت کر دے گی۔ مگر امیر لوگ بہر صورت ایک سے لے کر چار شادیاں کر سکیں گے۔ کیونکہ وہ اپنی مالی پوزیشن کے متعلق عدالت کو یقین دلا سکتے ہیں۔

۳۔ پھر اس پابندی کی ایک دلچسپ کمزوری یہ بھی ہے کہ عدالت صرف یہ دیکھ کر دوسری شادی کی اجازت دے دے گی۔ کہ یہ شخص دونوں بیویوں اصالان کی اولاد کی کفالت کر سکتا ہے۔ لیکن اس

کی کیا ضمانت ہوگی کہ وہ شادی کرنے کے بعد عملاً بھی متکفل ہوگا۔ ایسی متعدد مثالیں موجود ہیں کہ باوجود بڑی بڑی آمدنیاں رکھنے کے، لوگ ایک بیوی کو تو اچھی طرح رکھتے ہیں اور دوسری طرف ان کا برتاؤ ٹھیک نہیں ہوتا، بلکہ پہلی کو معلق چھوڑ دیتے ہیں۔ عدالت کی اجازت کی پابندی ان خرابیوں کا کیا سبب کر سکتی ہے۔ اس لیے حق یہ ہی ہے کہ ان تمام خام تجویزوں کی بجائے شریعت اسلامیہ کے اس قاعدہ ہی پر اکتفا کرنا چاہیے کہ ایک شخص ایک سے زائد نکاح کے معاملہ میں اپنی مرضی کا مختار ہے اور جس بیوی کو بھی شوہر سے کسی قسم کی بے انصافی کا شکوہ ہو۔ تو اس کے لیے عدالت کا دروازہ کھلا ہے۔

تجسس عیوب — اسلام کی نظر میں

انسانوں میں صرف انبیاء کرام ہی وہ نفوس قدسیہ ہیں جو ہر قسم کے گناہوں سے پاک و منزہ اور معصوم و محفوظ ہیں۔ عام انسانوں خواہ وہ علم و فضل اور روحانیت کے کیسے ہی اعلیٰ مقام پر فائز ہوں معصوم نہیں ہیں۔ نسیان خصائص انسانیت سے ہے اور خطا و شرار آدمیت سے بلکہ خطا و توبہ اللہ عزوجل کی پاک و معصوم مخلوق ملائکہ، مقربین سے بھی ممکن ہے۔ انسان سے قصہ و عمد نسیان و خطا کی بنیاد پر گناہ ہوتے ہیں۔ اور کوئی شخص ہر قسم کے گناہوں سے پاک و معصوم ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ تمام انسانوں میں اخلاقی و دینی کمزوریاں پائی جاتی ہیں اور خطا و نسیان و عصیان و طغیان سے بالکل پاک و صاف بہت مشکل ہے۔ یہ شرف صرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ جہاں اس نے فضائل اخلاق کی خوبیوں اور اس کے ثمرات عالیہ و نتائج عالیہ کو بیاں کیا ہے۔ وہاں زوائل اخلاق کی تعریف و حدود اور اس کی خرابیوں کی بھی نشاندہی کی ہے۔ تاکہ مسلمان اخلاق حسنہ کو اپنا کردینی و دنیوی ترقی اور سعادت کی منزل پر پہنچ جائے اور اخلاق مذکورہ کو ترک کر کے اسکے دینی و دنیاوی نقصان سے محفوظ ہو جائے۔ زوائل اخلاق میں سے ضابطہ

اور معاشرہ کے لیے نہایت نقصان دہ خصلت۔ تہمتِ تشدد و تجسس و تفتیش بھی ہے۔
 عام طور پر اسے نہایت معمولی اخلاقی بیماری سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ اسے بیماری خیال ہی نہیں کیا جاتا
 مگر کتاب و سنت کی نصوص صریح کی روشنی میں یہ نہایت معیوب اور سخت مذموم اخلاقی بیماری
 ہے۔ عام بیماری ایسے لوگوں میں بہت جلد پیدا ہو جاتی ہے۔ جو دیندار صوم و صلوٰۃ کے پابند
 ہوں۔ یا عالم دین اور مبلغ اسلام ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے۔ نماز روزے کا پابند یا عالم دین
 اعمال صالح کی بنا پر بعض اوقات اپنی ذات میں ترفع و تنزه کو محسوس کرنے لگتا ہے۔ یعنی وہ
 یہ خیال کرتا ہے کہ میں شریعت پر عمل کرتا ہوں امور خیر میں حصہ لیتا ہوں۔ اسلام کی تبلیغ و اشاعت
 کا فرض ادا کرتا ہوں۔ لہذا میں دوسروں کی نسبت بہت مقدس، پرہیزگار متقی و محتاط ہوں۔
 یوں کہہ لیجئے کہ اپنی عبادت و ریاضت تقویٰ و طہارت پر بکمر و غرور اعتماد و ناز دوسروں پر اپنی
 ذات کے تفوق و برتری کا خیال فاسد ایسے لوگوں کو دوسرے مسلمانوں کی خالص سخی ذاتی اور گھریلو
 زندگی کے عیوب اور اخلاقی کمزوریوں کی تلاش و تفتیش و جستجو کی ٹوہ لگانے کا مریض بنا دیتا ہے آپ
 حیران ہوں گے کہ جب کسی شخص میں مسلمانوں کے تجسس، عیوب اور تفتیش کا مرض پیدا ہو جاتے تو
 وہ اپنے اس مذموم مرض کی ذلت و قباحت کو محسوس نہیں کرتا۔ بلکہ اسے دینی خیر خواہی
 اور کار خیر سمجھتا ہے۔

زاہد نگاہ کم سے کسی رند کو نہ دیکھ

کیا جانے اس کریم کو تو ہے کہ وہ پسند

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی نظر میں، اور شارع اسلام حضور سید المرسلین،
 خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد فیض بنیاد کی تصریحات جلیلہ جمیلہ کی رو سے ایسے
 اخلاق مذمومہ کا مریض خواہ بظاہر صوم و صلوٰۃ کا پابند یا عالم دین و مبلغ شریعت ہی کیوں نہ
 ہو، قوم و ملت اور معاشرہ کے لیے فتنہ مکیڑی ہے۔

امر بالمعروف کا حکم اور بخش عیوب کی ممانعت

اگرچہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

یعنی اچھی باتوں کے لیے کہنا

اور بری باتوں سے روکنا۔ قرآن پاک نے مسلمانوں کا ممتاز وصف قرار دیا ہے۔

کنتم خیر امتہ اخرجت

لناس تامرون بالمعروف

وتنہون عن المنکر

تم سب سے بہتر امت ہو جو لوگوں کے لیے لائی گئی اچھی بات کا حکم دیتے

ہو۔ اور بری بات سے روکتے ہو۔

سورہ توبہ کے علاوہ سورہ لقمان عصر بلد میں بھی اسی مضمون کا ذکر ہے۔ اور سید المرسلین

علیہ السلام نے اس آیت کی توضیح میں فرمایا:

من دای منکم منکر اُفلیخیر

بیدہ فان لم یستطع فلسانہ

فان لم یستطع فقلوبہ وذالک

اضعت الایمان

جو تم میں سے خلاف شرع بات و منکر

دیکھے (توطاقت و حکومت ہو) تو ہاتھ

سے روکے مٹاتے۔ یہ بھی نہ کر سکے، تو

زبان سے مٹاتے۔ یہ بھی نہ ہو سکے

تو اس کو دل سے ہٹا دیجئے۔ یہ درجہ

(مسلم کتاب الایمان) سے کمزور ایمان کا ہے۔

لیکن وہ آیات و احادیث جن میں امر بالمعروف کا حکم ہے۔ ان میں اس بات کے جواز

پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ مسلمانوں کے عیوب و معصیت کا سراغ لگایا کر دے۔ من راسی منکر

کا مطلب تو صرف اس قدر ہے جو برائی (منکر) تم کو نظر آجائے۔ اسے ہاتھ یا زبان سے حسب

مدد دو۔ یہ نہیں کہ مسلمانوں کے پیچھے پڑ جاؤ۔ ان کے داخل معاملات کی تحقیق اور ذاتی معا

لے علامہ نووی نے لکھا ہے: ونیس الامر بالمعروف۔ البحت والتغیر والتجسس واقتحام

الدوریا الظنون بل ان عثر علی منکر غیر مہدہ۔ هذا کلام امام الحرمین - لیس

بمحتسب ان ذی بحت عالم یظہر من الجہات فہذا یجوز التجسس علیہ ولا کشف الاستاد

کی جتو میں لگ جاؤ اور جب کسی مسلمان کی اخلاقی و عملی کمزوری کی ٹوہ لگاؤ، تو پھر اس کو
 ٹوکر، منع کرو۔ وعظ پلاؤ اور بڑھم خود اپنے اس فعل مذموم کو خلوص پر مبنی وعظ، دینی خیر خواہی
 اور الدین النصیحت قرار دے دو۔ — حق یہ ہے کہ دینی خیر خواہی، خلوص پر مبنی وعظ ہرگز
 نہیں ہے۔ اسلام کی نظر میں تو یہ فساد ہی فساد ہے۔ اور رذائل اخلاقی میں سے ایک نہایت
 ہی مذموم اور قبیح خصلت ہے۔ کیونکہ اسلام نے دوسروں کے ذاتی معاتب کی تحقیق و تفتیش
 جس کا نام تجسس اور ٹوہ لگانا ہے۔ سختی سے ممانعت فرماتی ہے۔ حتیٰ کہ یہ حق تو خلیفہ اسلام اور
 بادشاہ اسلام کو بھی نہیں ہے کہ مسلمانوں کے گھروں میں گھس کر یا جاسوس مقرر کر کے ان
 کی عملی و اخلاقی حالت و کیفیت کی جستجو کرے۔ یعنی محتسب اور وین خانہ چہ کار۔ اسی لیے
 قرآن مجید میں مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے۔

وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبَ بَیْنَهُمُ الْغُیْبَ ۚ

اور لوگوں کے عیب نہ ڈھونڈو اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔

یعضکم بعضا (حجرات) ۲۔ امام کبیر سیدی عبدالغنی نابلسی و مشقی حنفی اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

التجسس الذی نہی اللہ یعنی تجسس کے معنی مسلمانوں کے پوشیدہ

تعالیٰ عنہ ومعنا لا تتبع عورات المسلمین قال اللہ تعالیٰ ولا

تجسسوا لما کان التجسس

یوجب الاطلاع علی عیوب

الغیر والاطلاع ربا یوقع فی

الغیبة قال اللہ تعالیٰ بعدہ

ولا یفتب بعضکم بعضا

بعضا (الخ) (للدقیقة الندیبة)

لا یفتب بعضکم بعضا ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ کیا

ایحب احدکم ان یاکل لحم الخیر
 تم میں کوئی پسند رکھے گا کہ اپنے
 میتا فکرمہ تموہ و تقوا
 مرے بھائی کا گوشت کھائے، تو یہ
 اللہ تو اب الوجلیم
 تمہیں گوارا ہوگا اور اللہ سے ڈرو
 (حجرات - ۲)
 بیشک اللہ بہت توبہ قبول کرنے

والا ہے۔

معلوم ہوا کہ لوگوں کے ذاتی عیوب کی تلاش و جستجو بھی غیبت ہے۔ جسے قرآن نے مردہ
 لاش کا گوشت اپنے دانتوں سے نوچنے سے تشبیہ دے کر اس کی کراہت و ذمات شدت
 کو بیان فرمایا ہے۔

لوگوں کے ذاتی معائب و کمزوریوں کی ٹوہ لگانے کو،
 مردہ لاش کے گوشت نوچنے ایسے سخت قابل نفرت کام

مردہ لاش کا گوشت

سے تشبیہ دینا جس سے ہر انسان فطرۃً گھن کھاتا ہے، نہایت بیخ انداز میں یہ بتانا مقصود
 ہے۔ اس طریقہ مذمومہ سے امر بالمعروف کا فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا اور جو زاہدانِ خشک اور
 اہل تعشف بنام ورع و احتیاط عیوبِ مسلمین کی ٹوہ لگاتے، تجسس و تحقیق کے مرضِ ذلیل میں مبتلا
 نظر آتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کی نفرت و وحشت، فتنہ و فحیحت کا باعث ہوتے ہیں۔ وہ بزعم خود
 محتاط بننے کے پڑے میں محض غیر محتاط ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے اس تجسس و تعمق اور تشدد کو
 دینی خیر خواہی قرار دیتے ہیں اور اپنی اس روش کو تقویٰ و احتیاط کا نام دیتے ہیں، حالانکہ

اے۔ ہاں یہ بالکل ایک عمدہ بات ہے کہ بعض خصوصی حالات میں امراء اور سلاطین اسلام
 کو ملک و قوم کے مجموعی مفاد کی حفاظت و صیانت کے لیے تجسس و تحقیق کی شرعاً اجازت ہے۔
 علامہ نووی نے لکھا ہے۔ وندکر الماوردی فی آخر احکام السلطانہ بابا مشتملاً علی جمل من قواعد

الامر بالمعروف الخ (مختصاً من النووی)

marfat.com

ایسے لوگ خواہ وہ کسی طبقہ میں ہوں۔ شریعت اسلامیہ کی نظر میں جاہل و غافل اور مغرر حکمت و مقصود شریعت محمدیہ علی صاحبہا الہجۃ سے ناواقف فتنہ پرداز اور فساد می قرار پاتے ہیں۔ یہ جو کچھ عرض کیا گیا ہے، وہ راقم سمیت سب کے لیے خواہ وہ عالم ہو، فاضل ہو، مفتی ہو، مبلغ ہو، مدرس ہو، عالم ہو خاص ہو، شریعت اسلامیہ کا ضابطہ و کلیہ، واجب الحفظ نکتہ جمیلہ و حکمت جلیلہ و کوچہ سلامت و جادۂ کرامت ہے۔ اسلام میں مدارات خلق و آفت و موانست اہم امور سے ہے، یہی وجہ ہے کہ کسی مسلمان بھائی کی خوشی کے لیے مسکرا دینا بھی عبادت ہے اور ہمارے رہبر و رہنما گنجینہ کیمیائے عالم پیش از ہمہ پیشوا عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد رحمت یہ ہے۔

واس العقل بعد الایمان ایمان باللہ کے بعد لوگوں سے الفت
التجسس الی الناس (طبرانی) و موانست اصول عقل و حکمت ہے ہے۔

تجسس عیوب کا ایک بھیا نک پہلو | دوسروں کے عیب کی تلاش و جستجو اور
ٹوہ لگانا کی ممانعت کے سلسلہ میں حضور

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا ہے:

ان تتبع عیوب الناس ان تم لوگوں کی ٹوہ لگاتے پھر دو گے۔

الناس افذتھم (ابوداؤد) یقیناً تو ان کو برباد کر دو گے۔

جس سے واضح ہوتا ہے کہ کسی مسلمان کی کمزوریوں کی ٹوہ لگانے اور پھر اسے ٹوکنا۔

امربالمعروف۔ نصیح و خیر خواہی نہیں ہے۔ اصلاح کا یہ طریقہ فتنہ و فساد کا دروازہ کھولنے

کے مترادف ہے۔ یہ کسی فرد کے اصلاح کی تدبیر نہیں ہے، بلکہ ہوتا ہی یہ ہے کہ دعا

و ناصح کی یہ نام نہاد خیر خواہی طال و رنج کا باعث بنتی ہے، بلکہ مخالفت کی ضد پیدا ہو سکتی۔

ہے اور پھر اصلاح کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو سکتا ہے۔ اس لیے وحی محمدی نے (قرآن)

میں، لا تجسسوا کا حکم دیا اور زبان رسالت نے لا تجسسوا کا۔

تجسس بدظنی اور غیبت کی ممانعت

چنانچہ کتاب مجید میں تجسس عیوب
بدظنی اور غیبت کی قلعی طور پر

ممانعت کی گئی۔

یا ایہا الذین آمنوا اجتنبوا کثیرا . اے ایمان والو بہت گمانوں سے بچو

من الظن ان بعض الظن اثم بیشک کوئی گمان گناہ ہو جاتا ہے۔

ولا تجسسوا ولا یغتب الخ اور عیب نہ ڈھونڈو۔ اور ایک

دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ الخ (حجرات)

۱۔ اس آیت میں مسلمان سے بدظنی اور بُرے گمان رکھنے کی ممانعت فرمائی گئی۔ بُرا گمان یہ بھی ہے کہ محض کسی آتے جاتے کی سنی سنائی بات کی بنیاد پر محض اپنے احساس فاقی کی بنا پر کسی بات پر ٹوکا جاتے اور اس ٹوکے کو امر خیر کی طرف توجہ دلانا سمجھا جاتے۔ جیسا کہ بعض زاہدان خشک دہل نقش کا وطیرہ ہے۔

چنانچہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے اس موضوع پر جو کچھ تحریر فرمایا ہے۔ میرے معروضات کی سو فیصدی اس سے تائید و توثیق ہوتی ہے۔ اور ہم سب کا خواہ وہ علماء ہوں یا مبلغ یا عام مسلمان اس انداز کی تبلیغ و نصیحت سے جس سے فتنہ پیدا ہو احتراز کرنا چاہیے۔ کیونکہ مقصود نصیحت کسی کی عزت و ناموس سے کہنا نہیں۔ بلکہ اس سے اصلاح ہے۔ مسلمان سے بدظنی بدگمانی سے منع فرمایا گیا۔ حضرت صدر الافاضل مراد آبادی قدس سرہ العزیز نے زیر آیت ان بعض الظن تخریر فرمایا کہ بدظنی کی ایک صورت یہ بھی ہے۔

اے (۱) شریعت مطہرہ میں مصلحت کی تحصیل سے مفسدہ کا ازالہ مقدم تر ہے۔ مثلاً مسلمان نے دعوت کی اب اس کے مال و طعام کی تحقیقات کی جاتے، کہاں سے آیا۔ کیسے لایا۔ حرام کا مال تو نہیں۔ بیشک سب تائیں وحشت دینے والی ہیں۔ اور مسلمان پر بدگمانی کر کے ایسی تحقیقات

سے اسے ایذا دینا ہے۔ خصوصاً جب کہ وہ شخص شرعاً معزز و محترم ہو۔ جیسے عالم دین یا ذی عزت مسلمان۔

(۲) یہ گمان نہ کرے کہ خفیہ تحقیقات کر لوں گا۔ حاشا وکلا۔ اگر اسے خبر پہنچی۔ اور نہ پہنچنا تعجب ہے اور رو برو پوچھنے سے زیادہ رنج کی صورت کما ہر جرب و معلوم۔ نہ یہ خیال کرے کہ احباب کیساتھ ایسا برتاؤ برتوں گا۔ یہاں احباب کو رنج دینا کب روا ہے۔

(۳) اور یہ خیال کہ شاید ایذا نہ پاتے۔ ہم کہتے ہیں شاید ایذا پاتے۔ اگر ایسا ہی شاید پر عمل ہے، اتنا اس کے مال و طعام کی حلت و طہارت میں شاید پر کون عمل کرتا۔

(۴) ضابطہ کلیہ واجبہ الحفظ یہ ہے کہ فعلی و اقضیٰ و ترک محرکات کو رضائے خلق پر رکھے اور ان امور میں کسی کی مطلقاً پروا نہ کرے۔

(۵) اور ایسا نہ مستحب و ترک غیر اولیٰ پر مدارات خلق و مراعات قلوب کو اہم جانے اور فتنہ و نفرت ایذا و وحشت کا باعث ہونے سے بچے۔ اسی طرح جو عادات و رسوم خلق میں جاری ہوں اور شرع مطہر سے ان کی شناخت و حرمت نہ ثابت ہو، ان میں اپنے ترفع و تنزه کے لیے خلاف وجداتی نہ کرے کہ یہ سب امور ابتلا و موانع کے معارض اور مراد و محبوب شارع کے مناقض ہیں۔ ہاں ہوشیار و گوش دار کہ یہ وہ نکتہ جمید و حکمت جلیلہ و کوچہ سلامت و جادۂ کرامت ہے جس سے بہت زاہدان خشک و اہل نقشب غافل و جاہل ہوتے ہیں۔ وہ اپنے زعم میں محتاط و دین پرور بنتے ہیں اور فی الواقع مغیر حکمت و مقصود شریعت سے دور پڑتے ہیں۔ خبردار و محکم گیر یہ چند سطروں میں علم عزیز و باللہ التوفیق والیہ المصیر۔

(۵) ہرگز بنام ورع و احتیاط مسلمانوں کی نفرت و وحشت ان کی رسوائی و فضیحت یا تجسّس عیوب و معیبت کا باعث نہ ہو کہ یہ سب امور ناجائز ہیں۔ شکوک و شبہات میں ورع برتنا ناجائز نہیں عجب کہ امر جائز سے بچنے کے لیے چند ناروا باتوں کا ارتکاب کرے۔ یہ بھی شیطان کا ایک دھوکہ ہے کہ اسے محتاط بننے کے پڑے ہیں محض غیر محتاط کہہ دیا اسے عزیز مدارات خلق و الفت

و موانست اہم امور سے ہے۔
 ر فتاویٰ رضویہ جلد دوم صفحہ ۴۴ تا ۱۲۷

کہ کسی کے کلام و تحریر پر سن کر پڑھ کر فاسد، باطل معنی لیا جائے۔ اور اسے بذنام کیا جائے۔
 باوجودیکہ اس کے دوسرے صحیح معنی موجود ہوں۔ اور مسلمان کا حال ان کے موافق نہ ہو۔
 یہ بھی بدگمانی میں داخل ہے۔ حضرت سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ
 کے ساتھ بدگمانی کرنا اور مومن کیساتھ براگمان کرنا حرام ہے اور لا تجسسوا کے ماتحت تحریر فرمایا۔
 مسلمانوں کی عیب جوئی نہ کرو۔ ان کے چھپے حال کی تحقیق و جستجو تجسس میں نہ رہو۔ جسے اللہ تعالیٰ
 نے اپنی ستاری سے چھپا لیا ہے۔ (از خزائن العرفان مخلصا)
 اور حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ایاکم والظن فان الظن	بدگمانی سے بچو۔ بدگمانی سب سے
اکذب الحدیث ولا تجسسوا	زیادہ جھوٹی بات ہے۔ نہ لوگوں
تجسسوا ولا تقاسدوا ولا	کے عیوب کی ٹوہ لگاؤ۔ نہ باہم حسد
تدابروا۔ ولا	کرو۔ نہ ایک دوسرے سے بے تعلق
تباغضوا	رہو۔ نہ باہم بغض رکھو بلکہ اے اللہ

(بخاری کتاب الادب) کے بند و بھاتی بھاتی ہو جاؤ۔
 دیکھتے ادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدظنی، بدگمانی لوگوں کے پوشیدہ عیوب کی
 ٹوہ لگانے حسد اور غیبت سے منع فرمایا۔ حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا :
 ”شب معراج میرا گزرا ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے ناخن تانے کے تھے اور وہ ان
 سے اپنے چہرہ اور سینوں کو نوچ رہے تھے۔ میں نے جبریل امین سے ان کے متعلق پوچھا
 کہ یہ کون لوگ ہیں۔ انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے۔ ان کی
 عزت و آبرو لیتے تھے۔ (ابوداؤد کتاب الادب)

غیبت یہ ہے کہ کسی شخص کی پیٹھ پیچھے برائی کی جائے۔ مسلمانوں کی عیب جوئی اور اس کی تحقیق و تفتیش بھی غیبت ہے۔ بلکہ غیبت کی تعریف میں عدم موجودگی اس کا ضروری جز نہیں ہے۔

حضور سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا غیبت کسے کہتے ہیں۔ فرمایا تمہارا اپنے بھائی کی اس چیز کا ذکر کرنا جس کو وہ ناپسند کرے۔ عرض کیا گیا اگر میرے بھائی ہیں وہ عیب موجود ہو جس کو میں بیان کرتا ہوں تو؟ حضور نے فرمایا اگر وہ عیب اس میں موجود ہے، تو تم نے اس کی غیبت کی اور اگر نہیں ہے، تو تم نے اس پر بہتان لگایا۔

(ابوداؤد کتاب الادب)

معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کی عدم موجودگی میں اس کی برائی بیان کرنا، غیبت کی تعریف کا ضروری جز نہیں ہے۔ البتہ اہل لعنت کے نزدیک جو عیب عدم موجودگی میں بیان کیا جائے غیبت ہے اور جو سامنے بیان کیے جائیں سب غیبت ہے۔ بہر حال ممنوع و حرام دونوں ہی ہیں۔ قرآن مجید میں اس کی رذالت و ذلت کو اُیْحَبَّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّأْكُلَ لَحْمَ اخِيهِ مِمَّا سَأَلَ بِيَانِ كَيْفَا كَيْفَا۔ کہ لوگ شدتِ غم میں بھائی کی مردہ لاش دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے حتیٰ کہ بحالتِ اضطراب بھی اگر بکری یا سور کا مردار گوشت مل جائے۔ تو کوئی انسان ان کا گوشت کھانا پسند نہیں کرے گا۔ تو جو شخص اپنے مردار بھائی کا گوشت کھاتا ہے۔ وہ کس قدر سنگدل اور شقی القلب قرار پائے گا۔ یہ ہی وجہ ہے کہ جرمِ غیبت کی عالمِ برزخ میں یہ سزا مقرر کی گئی کہ خود اپنا گوشت نوچتے رہیں۔ حتیٰ کہ ایک بار سخت بدبو پھیلی، تو حضور علیہ السلام نے صحابہ سے فرمایا:

جانتے ہو یہ کیا ہے؟ یہ ان لوگوں کی بدبو ہے۔ جو مسلمانوں کی غیبت کرتے ہیں!

(ادب المفرد باب الغیبتہ)

اس کے ساتھ یہ نکتہ بھی یاد رکھیں کہ معاملات میں ایسے مواقع بھی آتے ہیں، جہاں

تخصیص کی ضرورت ہوتی ہے۔ کسی کی برائی بیان کرنا اخلاقاً اچھی بات ہے، لیکن خود اخلاق کا تقاضا یہ بھی ہے۔ واقعی برائیوں کو جو ظاہر ہوں بیان کیا جاتے تاکہ لوگوں کو اس پر تنبیہ ہو۔ اگر ایک فلم روک دیا جاتے۔ تو اصلاح حال اور برائی کی روک تھام کی کوئی صورت نہ ہو سکے گی۔ قرآن سے بد مذہبوں بے دنیوں کا نام لے کر ان کی برائی بیان فرمائی ہے کہ ان کی برائیاں عالم آشکارا تھیں۔ اسی طرح جو برائی علانیہ کی جاتے۔ ان میں بعض اوقات کسی فرد خاص کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔ تو یہ اور اسی کیفیت و نوعیت کی دوسری صورتیں دراصل غیبت میں شامل نہیں جس کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔ لیکن تصویر کے اس رخ کے ساتھ ساتھ یہ نکتہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ قرآن مجید اور احادیث رسول میں کافروں، مشرکوں۔ فاسقوں کی علانیہ برائیاں بیان کیں گئی ہیں۔ مگر سوتے چند خاص حالتوں کے کسی کا نام نہیں لیا گیا۔ بلکہ عموم کیساتھ پردہ میں۔ یا صیغہ مجہول کے ساتھ یا وصف کیساتھ، یوں کہا گیا ہے کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ کفر کرتے ہیں۔ ان کا حال یہ ہے۔ تو یہ طریقہ تنبیہ بہر حال شارع علیہ السلام کو مطلوب و محمود ضرور ہے کہ اندازِ ادا عمومی ہونا چاہیے۔ کیونکہ مقصود تبلیغ و نصیحت یہ ہرگز نہیں ہے کہ کسی کو بدنام کیا جاتے اور اس کی بے عزتی کی جائے۔ غلو و تشدد کے اسے شتمل کیا جائے اور ضد و کد پیدا کی جائے۔ بلکہ مقصود وعظ و نصیحت اس کی اصلاح و تزکیہ ہے۔ دوسروں کے ذاتی معاصی کی تحقیق و تفتیش اور ٹوہ لگانا۔ یہ بالکل ایک علمہ چیز ہے اور زائل اخلاق میں سے نہایت فیح خصلت ہے حضور تبارک عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

لو تتبعوا عوراتہم فانہ من	لوگوں کے پوشیدہ امور کا تتبع و تجسس
تبع عورتہ اخید تتبع اللہ	نہ کرو جو ایسا کرے گا، تو اللہ تعالیٰ بھی
عورتہ یغنیہ ولو کان	اس کے امور پوشیدہ کا تتبع فرمائے
فی جوف بیتہ (مدیہ)	گا اور لوگوں میں ایسا شخص بے عزت
من ستر علی مسلم	ہوگا۔ اگرچہ مکان کے گوشہ میں چھپ

ستدائتہ فی الدنیا والآخرۃ رہے۔ جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کے

(حدیقۃ السنیہ) گاہ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس

کی پردہ پوشی فرماتے گا۔

یہ جو کچھ عرض کیا گیا ہے محض ایک مسئلہ شرعی کی وضاحت اور عوام تک حدود و نصیحت
و انداز تبلیغ کی شرعی حیثیت کو پہچانا ہے، جو مسلمان بھائی کتاب و سنت کی ان ہدایات کو
مطالعہ میں لائیں۔ وہ اپنے لیے بھی اور خصوصی طور پر راقم الحروف کے لیے ان ہدایات پر عمل
کرنے اور عملی طور پر قبول کرنے کی بارگاہ الہی سے توفیق مانگیں۔

دینِ مصطفیٰ علیہ السلام

عقائد، عبادات، نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ معاملات اور زندگی میں
پیش آنے والے نئے مسائل سے متعلق قرآن و حدیث و فقہ حنفی کی روشنی
میں احکام اسلام کا بے نظیر مجموعہ علامہ رضوی کی تازہ تالیف بچوں اور جوانوں
اور مستورات کے لیے دینیات کی آسان عام فہم کتاب ایک ایسی کتاب
جو آپ ہر طبقہ کو بطور تحفہ دے سکتے ہیں۔ صفحات ۵۰۰، کتابت طباعت
آفٹ مجلد سنہری۔ مبلغ پائیس ۲۲ روپے بذریعہ منی آرڈر بھیج کر مکتبہ رضوان
سے طلب کیجئے۔

نماز عبادت کا گوہر شاداب

فرضیت صلوٰۃ نماز ہر مومن، عاقل، بالغ پاک پر فرض ہے۔ بحکم سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سات سال کے لڑکے کو نماز (روزہ) کا حکم کرنا چاہیئے۔ جب دس سال کے ہو جائیں تو انہیں مار کر پڑھانی چاہیئے۔ اور ان کے بستر لگ کر دینے چاہئیں۔ تاکہ بالغ ہونے پر ان کو عادت ہو جائے اور وہ نماز کو ترک نہ کریں۔

الخیر عادیۃ والشر عادیۃ والنفس
مختار (صلوٰۃ مسعودی)

نیکی اور بدی عادت ہے اور نفس
خوئے پذیر ہے۔

چوب ترکو جلد سے چھیریں پھر جاتی ہے۔ اور جب خشک ہو جائے تو یہ حالت نہیں رہتی۔ نماز کی فرضیت قرآن و حدیث اور اجماع اُمت سے ثابت ہے۔ اسی طرح پانچ نمازوں کا ثبوت قرآن کریم کی پانچ آیات اور دس سے زائد احادیث سے ثابت اور اس پر اجماع اُمت ہو چکا ہے (عزیز البرکات بحوالہ تعلیق المجلیٰ) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا:-

الصلوٰۃ کم۔ علی کم۔ فی کم۔ من کم۔

ہو اب دیکھا: اثنین علی اثنین۔ فی اثنین من اثنین۔

یعنی نمازیں دو طرح ہیں، فرض اور واجب۔ دو پر فرض ہیں یعنی حین و انسان پر، دو ہیں یعنی شب و روز ہیں۔ دو کی طرف سے یعنی خدا اور رسول کی طرف سے۔

(بیاض جدی المکرم ادخلہ اللہ فی بحبوحة جناتہ)

نماز میں سات آسمان کے فرشتوں کی عبادت ہے۔ آسمان اول کے قیام ہیں، آسمان دوم کے رکوع ہیں، سوم کے سجدہ ہیں، چہارم کے قعدہ ہیں، پنجم کے تسبیح ہیں، چھٹے کے تہلیل (لا الہ الا اللہ) میں، ساتویں کے تحمید (سبحان اللہ والحمد للہ) ہیں۔

جب مومن آدمی دو رکعت نماز انہیں مذکورہ افعال و اذکار سے ادا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کے اعمال نامہ میں سات آسمان کے فرشتوں کی گنتی کے مطابق نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

امام نجم الدین عمر نسفی رحمۃ اللہ علیہ خصال میں فرماتے ہیں کہ زمینوں کو بھی اس پر قیاس کرنا چاہیے۔ درخت اور مینار اور پہاڑ قیام میں ہیں اور چار پائے رکوع میں اور حشرات الارض زمین میں رہنے والے سجدہ میں اور دیواریں اور ٹیلے اور گاہ اور رنگ وغیرہ قعدہ میں، قرآن کریم کی آیت کریمہ اسی پر دل ہے

اور کوئی چیز نہیں جو اسے سراہتی ہوئی
اس کی پاکی نہ بولے۔ ہاں تم اس کی تسبیح
کچھ نہیں سکتے۔ (پ ۱۵-ع ۵)

وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ
وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ
(کنزالایمان، صلوٰۃ مسعودی)

آب و خاک و باد و آتش بندہ اند

بامن و تومرودہ باحق زندہ اند

اللہ تعالیٰ نے نماز کو احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شکل بنایا۔ الف قیام۔ حار کوع۔ میم سجدہ

وال قعدہ (وقائع الاخبار)

نبی محترم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے (۱) نماز پڑھنے سے خدا تعالیٰ خوش

نماز کے برکات

ہوتا ہے (۲) فرشتے پیار کرتے ہیں (۳) تمام انبیاء کی سنت ہے۔ نور معرفت ہے (۵)

اصل (جڑ) ایمان ہے (۶) اجابت (قبولیت) دعا ہے (۷) باعث قبولیت ایمان ہے (۸) رزق میں برکت

(۹) بدن میں راحت (۱۰) دشمن کے لیے اوزار (۱۱) شیطان کو ناخوش کرتی ہے (۱۲) ملک الموت کے سامنے

سفارشی ہوگی (۱۳) قبر میں روشنی (۱۴) نیچے بچھونا (۱۵) منکر و نکیر کے لیے جواب (۱۶) قیامت تک قبر میں

مونس و غمخوار ہوگی (۱۷) روز قیامت اوپر سایہ کرے گی (۱۸) سر پر تاج ہوگی (۱۹) بدن پر لباس (۲۰)

اور نور جو آگے آگے چلتا ہوگا (۲۱) نمازی اور روزخ کے درمیان پردہ ہوگی (۲۲) خدا کے سامنے حجت

(۲۳) میزان (نماز) میں ثقل (جباری) (۲۴) پل سراط سے گزار دے گی (۲۵) اور جنت کی کنجی ہے کیونکہ

اس میں تسبیح و تحمید تقدیس، تعظیم قرأت اور دعا ہے۔ لہذا افضل الاعمال ہے۔

(دستار المعارفین مسند فقہ ابواللیث سمرقندی متون ۱۳۷۳ھ مصری ص ۱۷۱)

نماز کی شرائط اور ارکان اس کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی، ان کو ایک سند صی

فرائض نماز

شاعر نے ایک شعر میں جمع کر دیا۔

فرائض نہ دانی شری در قساق

انجس نوق تقق رسق

۲۳۲۱ ۷۵ ۱۰۹۸ ۱۳۱۲۱۱

(۱) نمازی کے لیے لازم ہے کہ اس کا جسم ظاہری باطنی نجاست سے پاک ہو۔ ورنہ نماز درست نہ ہوگی۔
 الف سے مراد اندام پاک (۲) جائے پاک، یعنی جس جگہ نماز پڑھتا ہے وہ بھی پاک ہو (۳) ہمارے پاک (۴) اس
 کے کپڑے بھی پاک ہوں (۵) ستر۔ مرد کے لیے ناف سے زانو تک جسم کا چھپانا فرض ہے اور عورت
 کے لیے سوائے دو ہاتھ (بند دست تک) اور چہرہ اور دو پاؤں کے سائے جسم کا چھپانا، کپڑا پہنانا ہو،
 تاکہ اعضا نہ نظر نہ آویں۔ اور ایسا چست نہ ہو کہ اعضاؤں کی ساخت معلوم ہو (۵) نیت کرنا (۶) وقت
 کا معلوم کرنا۔ بغیر وقت ہوئے نماز پڑھنا درست نہیں۔ کیونکہ قبل ازین نماز فرض ہی نہیں ہوتی تو یہ کیا
 پڑھتا ہے۔ عموماً صبح، عصر اور عشا کے وقت سے لوگ ناواقف ہیں، قبل از وقت پڑھ لیتے ہیں (دفعہ حزب
 الاحناف سے مؤذن الاوقات لے کر رکھیں۔ ہمیشہ اوقات نماز روزہ وغیرہ سے باخبر رکھے گا) (۷)
 قبلہ کی طرف یا جہت قبلہ کو منہ کرنا خواہ جہاز میں ہو یا کشتی میں، یا ریل گاڑی میں، معذور و مجبور
 کے سوا، اگر کوئی شخص غیر قبلہ کو منہ کر کے نماز پڑھے گا، نماز درست نہ ہوگی۔ جس جگہ پتہ نہ ہو مساجد کو دیکھے
 کسی سے پوچھ لے۔ قطب منہج سے یا ستاروں سے معلوم کرے۔ اگر یہ نہ ہو تو سوچ سے پڑھے (۸) تکبیر تحریر
 (۹) قیام کرنا۔ بلا عذر بیماری کے یا درندے اور دشمن کے خوف سے ساقط نہیں ہوگا۔ بعض لوگ ذرا سی
 بیماری میں نماز بیٹھ کر پڑھتے ہیں، حالانکہ چلتے پھرتے ہیں، ان کی نماز درست نہیں، کھڑے ہونے کی طاقت
 ہے تو کھڑے ہو کر شروع کر لیں۔ پھر اگر کھڑے نہیں رہ سکتے تو بیٹھ جائیں (۱۰) قرأت۔ ایک آیت لمبی یا
 تین آیت چھوٹی (۱۱) رکوع کرنا کہ سر اور پیٹھ اس طرح برابر ہوں کہ اگر پشت پر پانی کا پیالہ رکھا
 جائے تو وہ گرے نہیں (۱۲) سجدہ کرنا۔ کہ دونوں ہاتھ کے درمیان سراسر طرح رکھے کہ اگر کان کے اوپر
 سے کوئی چیز گرے تو ہاتھ کی پشت پر گرے۔ کلاں یا زمین سے اٹھائے رکھے، بازو پہلوؤں سے
 جدا ہوں اور پیٹ رانوں سے الگ اور ساتوں اعلا زمین پر ہوں۔ خصوصاً پاؤں کو بعض لوگ سجدہ
 میں اٹھائے رکھتے ہیں، ان کی نماز درست نہیں اور اعضا اس طرح ہوں کہ بکری کا بچہ نیچے سے گزرے
 (۱۳) قعدہ اخیر بایں پاؤں سجھا کر اس پر بیٹھے اور دایاں کھڑا رکھے اور ہاتھ رانوں پر رکھے، یہ احکام مرد

کے لیے ہیں، عورتیں سجدہ میں سب اعضاء مذکورہ ملا کر رکھیں اور دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر رکھیں ان پر بیٹھیں۔ واجبات نماز اس شعر میں آگئے ہیں۔

چوں واجب نہ دانی شوی در خطر
فُتِنْتَ تُقِنْتَ لُقِنْتَ جَسَدُ

۳۲۱ ۶۵۲ ۹۸۷ ۱۷۱۱۰

واجبات نماز | (۱) فاتحہ پڑھنا امام اور اکیلے کے لیے۔ مقتدی کے لیے فاتحہ پڑھنے کی ۸ صحابہ کرام سے مخالفت مروی ہے۔ بلکہ وعید آئی ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے فاتحہ پڑھے وہ فطرت اسلامی پر نہیں (طحاوی شرح معانی الآثار ص ۳۵) اس کے منہ میں چنگاڑا ہو (عمدة القاری ص ۱۸۰) اس کے منہ میں پتھر ہوں (موطا امام محمد ص ۹۸) اس کا منہ مٹی سے بھرا جائے (طحاوی وغیرہ) (۲) ضم سورہ یعنی الحمد کے ساتھ سورت ملانا (۳) تعیین قرأت یعنی فرضوں کی دو پہلی رکعتوں اور وتر و نفل کی سب رکعتوں میں قرأت پڑھنا (۴) تبدیل ارکان یعنی ہر رکن کو اپنی اپنی جگہ ادا کرنا (۵) قعدہ (۶) یعنی التحیات پہلے اور آخری قعدے میں پڑھنا (۷) لفظ سلام کے ساتھ نماز سے باہر آنا (۸) دُعاے قنوت وتر (۹) تکبیرات عیدین (۱۰) جہر سے قرأت صبح اور مغرب اور عشاء جمعہ و عیدین میں (۱۱) سر یعنی آہستہ پڑھنا ظہر اور عصر میں (۱۲) رعایت ترتیب رکھنا۔ سنت نماز اس شعر میں ہیں۔

چو سنت بدانی شوی مقتدا

روزہ نیت، نیت دوا

۳۲۱ ۶۵۲ ۹۸۷ ۱۷۱۱۰

(۱) رفع یدین تکبیر تحریر کے لیے ہاتھ کانوں کی لوت تک اٹھانا اور کسی جگہ نہیں۔
(۲) وضع یدین یعنی ہاتھ ناف کے نیچے باندھنا۔ عورتوں کے لیے چھاتی پر (الوداؤد۔ عمدة الرعاۃ ص ۱۵۵ جلد اول وغیرہ) (۳) ثناء پڑھنا امام و مقتدی اور اکیلے کیلئے (۴) بسم اللہ پڑھنا الحمد سے پہلے (۵) تسبیح۔ رکوع و سجود میں تین یا پانچ یا سات مرتبہ (۶) تکبیرات یعنی رکوع جاتے اور سجدہ کرتے اُٹھتے وقت اللہ اکبر کہنا (۷) سمح اللہ لمن حمدہ امام اور اکیلے کو کہنا (۸) توقف کرنا رکوع اور سجود کے بعد یعنی تومر جلسہ کرنا (۹) درود شریف پڑھنا (۱۰) دعا پڑھنا جو حدیث شریف سے مروی ہو اور دعا ابراہیمی رب اجعلنی

مقیہ الصلوٰۃ الخ پڑھنا مستحب ہے (عالمگیری) (۱۱) آمین آہستہ کہنا۔ طحاوی ضحا، شمار سنن ۹۶، ملکہ میں ہے کہ بسم اللہ، ثنا، اعوذ، آمین آہستہ پڑھی جاویں۔ ترمذی، ابو داؤد اور حاکم اور قطنی وغیرہ میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین آہستہ کہی

نماز کی اہمیت و فریضیت محتاج بیان نہیں ہے۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ انسان طریق اشاعت نماز

اسلام چاروانگ عالم میں پھیلا تھا۔ اور تبلیغ ہی سے آج مسلمانوں کو راہ راست پر لایا جاسکتا ہے اس لیے فی زمانہ نماز اور اس کے ضروری مسائل کی تبلیغ و اشاعت بہت ضروری ہے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ فریضہ تبلیغ ادا کرے اور ذیل کی تجاویز کو عملی شکل دی جائے۔

۱۔ ہر محلہ میں نماز کمیٹی قائم کی جائے اور بااثر اصحاب کے تعاون سے تبلیغ نماز کی جہم شروع کی جائے۔

۲۔ ہر ہفتہ ایک مجلس وعظ منعقد کی جائے۔ جس میں نماز کے متعلق وعظ ہوں اور مسائل نماز پڑھ کر سنائے جائیں۔

۳۔ بے نمازوں کو پیار و محبت سے نماز کی ترغیب دی جائے۔ اور وہ سخت سست جواب دیں تو تحلل و بردباری سے کام لیا جائے اور اپنی تبلیغ کو کسی حالت میں بھی نہ ترک جائے۔

۴۔ روزانہ صبح و شام رضا کاروں کی ایک جماعت نماز اور ذکر الہی کی طرف ترغیب دلانے والی نظمیں پڑھتے محلہ میں گشت کرے۔ ذی اثر حضرات بھی اس جلوس میں شریک ہوں۔

۵۔ اوقات نماز کے وقت محلہ کے لوگوں سے اپیل کی جائے کہ وہ مسجدوں میں آجائیں۔

۶۔ نماز کمیٹی کے لیے کسی قسم کا پزیرہ وغیرہ نہ رکھا جائے۔ محض خالصتہً لوجہ اللہ یہ کام سرانجام دیے جائیں۔

۷۔ پہلے اپنے محلہ کی اصلاح کر لیجئے۔ اس کے بعد دوسروں کی طرف متوجہ ہو جائے۔

ذکر و فکر

(۱) حضرت نظام الدین محبوب الہی دہلوی کا جب انتقال ہوا۔
نظام الدین محبوب الہی جنازہ لے جایا جا رہا تھا، خلقت کا ہجوم بے پناہ تھا۔ جنازہ
 کے ہمراہ حضرت سعدی شیرازی کے یہ شعر کسی نے پڑھے۔

سر در سینا بصر امیر دی لیک بد عہدی کہ بے مامیر دی
 اے تماشا گاہِ عالم روئے تو تو کب بہر تماشا میر دی
 کہتے ہیں کہ اس شعر پر محبوب الہی علیہ الرحمۃ کو وجد آ گیا۔ جنازہ کو حرکت ہوئی اور آپ
 نے عالم وجد میں ایک ہاتھ اٹھا دیا۔ جنازہ رکھا گیا۔ ایک بزرگ آگے بڑھے۔ عرض کی محبوب
 الہی! یہ مقام وجد نہیں ہے۔

(۲) حکایات الصالحین میں لکھا ہے۔ ایک بزرگ کھمس بن حسین
دیانت کا معیار اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھے تھے کہ ناگاہ ان کا ایک دینار کہیں
 گم ہو گیا۔ دوستوں نے دینار کے متعلق پوچھا تو کھمس نے کہا ابھی ابھی میرے پاس تھا۔ مگر کہیں
 گم ہو گیا۔ ان کے دوستوں نے تلاش شروع کی، دینار مل گیا۔ اور کھمس سے کہا یہ دینار تمہارا ہی
 ہے۔ اس کو لے لو۔

کھمس بن حسین نے جواب دیا۔ اس کا کیا ثبوت ہے کہ وہی دینار ہے جو میرا تھا۔ ساتھیوں
 نے کہا کھمس قسم بخدا ہمارے پاس دینار نہ تھا۔ یہ تمہارا ہی گمشدہ دینار ہے۔ تم ہی اس کے حقدار
 ہو۔ کھمس نے جواب دیا۔ ٹھیک ہے۔ مگر یہ بھی تو ممکن ہے کہ کسی اور کا دینار گم ہو گیا ہو اور
 یہ وہی ہو۔ بہر حال یہ شک والی چیز ہے۔ اگر میں نے اس کو لے لیا تو بارگاہِ خداوندی میں کیا

جواب دوں گا۔

اس نے مکہ کا محاصرہ کیا۔ منجھتین نصب کر کے سنگ باری
ظالم کا حشر شروع کر دی، حرم پاک جہان خون خرابہ اور قتل و غارت
 گری کو اللہ کے مقدس رسول نے حرام قرار دیا تھا۔ حجاج بن یوسف کی بڑلت تباہ کاری
 اور غارت گری کا مرکز بن گیا۔ جب محاصرہ تنگ سے تنگ ہو گیا تو حضرت عبداللہ بن
 زبیر خانہ کعبہ میں پناہ گزین ہو گئے اور مسلمان فوج نے خدائی قہر و عذاب سے ڈر کر
 کعبہ پر سنگباری سے ہاتھ کھینچ لیا تو حجاج خود آگے پڑھا اور منجھتین چلانے لگا۔ پھرون کی
 آتش بازی سے خانہ کعبہ کے غلاف جھلس گئے اور حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے تبرکات
 جل گئے، سات ماہ سے کچھ زیادہ مدت محاصرہ کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر کعبہ
 کی حرمت کے پیش نظر مقابلے کے لئے باہر نکلے انہوں نے رجزیہ نعرہ بلند کیا۔

اے لوگو! مجھے پہچان لو۔ میں رسول مقبول علیہ السلام کے دست راست حضرت
 ابوبکر صدیق کا نواسا ان کی مقدس بیوی جناب عائشہ کا بھانجا ہوں۔ مجھے اس بات کا
 شرف بھی حاصل ہے کہ میں ہجرت کر کے آنے والوں میں پہلا نومولود تھا جو مہاجرین میں
 پیدا ہوا۔ میری والدہ اسماء نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں حق و صداقت کی راہ میں اپنی
 جان دینے سے بھی دریغ نہ کروں۔ اس کے بعد ابن زبیر نے اتنا سخت حملہ کیا کہ
 حجاج کی فوج کو دوڑ تک دھکیلتے چلے گئے کہ ناگاہ حجاج کی فوج کے کسی آدمی نے
 ایک بھاری پتھر ان کے منہ پر پینچ لیا۔ راکنیشی اور سر سے خون کا فوارا جاری ہو گیا۔
 حضرت ابن زبیر کی لاش دیکھتے ہی حجاج نے ان کا سر کٹوا کر خلیفہ عبدالملک
 کو روانہ کر دیا اور صلیب پر چڑھا دیا۔ تین دن گزر چکے۔ حجاج حضرت ابن زبیر کی
 مصلوب لاش کے پاس کھڑا لطف اندوز ہوا تھا کہ تقریباً سو سالہ نابینا عورت ایک بیٹا عورت
 کا ہاتھ پکڑ کر وہاں پہنچیں اور ابن زبیر کی لاش پر ہاتھ رکھ کر ٹٹول کر دیکھا پتہ چلا ان

کا بوڑھوڑا لگ ہے۔ پھر نابینا عورت نے دریافت کیا
کیا یہ سوار ابھی تک اپنے گھوڑے سے نہیں اترا اس سے کہو جنگ ختم ہو گئی
اب تو نیچے آجائے۔

حجاج نے اس عجیب و غریب نابینا عورت کے بارے میں سوال کیا؟ یہ کون ہے،
بینا عورت نے جواب دیا۔ ابن زبیر کی ماں اسماء رسول اللہ کی محبوب بیوی حضرت عائشہؓ
کی بڑی بہن اور حضرت ابو بکرؓ کی بڑی بیٹی ہیں۔

حضرت اسماء نے اپنے بیٹے کی لاش کا مطالبہ کیا۔ حجاج نے دینے سے انکار کر دیا۔
حضرت اسماء واپس چلی گئیں اس کے بعد اس نے حضرت اسماء سے کہلوا یا اگر خیریت چاہتی
ہو چپ چاپ میرے پاس چلی آؤ۔ ورنہ بالوں سے گھسیٹتی لائی جاؤں گی۔
حضرت اسماء نے جواب دیا میں ہرگز نہیں جاؤں گی اس ظالم سے کہو مجھے بالوں سے
گھسیٹ کر بلوائے۔

اس پر حجاج حضرت اسماء کے پاس خود پہنچا اور کہا او دشمن خدا ابن زبیر کی ماں
پتا ہے میں نے دشمن خدا زبیر کے ساتھ کیا سلوک کیا۔؟

حضرت اسماء کی بے نور آنکھیں آنسو سے لبریز ہو گئیں آپ نے جواب دیا۔
تو نے میرے بیٹے کی دنیا بگاڑی اور میرے بیٹے نے تیری عاقبت
خراب کر دی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ
بنی ثقیف میں ایک جھوٹا اور ایک ظالم پیدا ہوگا۔ جھوٹے مختار بن عبید ثقفی کو
تو دیکھ چکی ہوں اور ظالم تو ہے۔

حجاج حضرت اسماء کی دلیری پر دم بخود رہ گیا پھر ایک عجیب و غریب خواہش کا اظہار
کیا بولا میں چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے نکاح کر لو۔

حضرت اسماء چراغ پا ہو گئیں۔ فرمایا، او ذلیل عاقبت نااندیش کینے ظالم ایک سالہ

نابینا کو تو نکاح کا پیغام دے کر اسے ذیل کرنے کی فکر میں ہے کیا تو اتنا نہیں جانتا کہ عزت و ذلت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ تیرے ذیل کرنے سے میں ذیل نہیں ہو جاؤں گی۔

حجاج نے خلافِ امید نرمی سے جواب دیا۔ انہیں میرا لیا کوئی ارادہ نہیں البتہ میں رسول اللہ کی ہم زلفی اور ابو بکر صدیق کی دامادی کا شرف حاصل کرنا چاہتا تھا۔ پھر حجاج نے شقاوت سے ہنستے ہوئے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش کو سولی سے اتروا کر یہودیوں کے قبرستان میں پھینکوا دی، جہاں سے حضرت اسماء نے اٹھوائی اور اپنی نگرانی میں غسل دلو کر تجہیز و تکفین فرمائی۔

حجاج بن یوسف اپنے آباد کردہ شہر واسط میں مقیم تھا۔ عراق کی گورنری پر فائز ہوئے اسے بیس سال گزر چکے تھے کہ یکایک مکافاتِ عمل کی تلوار میان سے باہر ہوئی حجاج کے پیٹ میں کیڑے پڑ گئے جو اسے شب و روز دردناک اذیت سے دوچار کرتے اور حجاج جیسا سنگدل اور غیر معمولی قوت برداشت کا انسان اس تکلیف سے چنچا چلاتا رہتا تھا بالآخر اسی مرض کی اذیت سے دنیا سے کوچ کر گیا۔ جب وہ مرا تو متفق الرائے اعداد و شمار کے مطابق میدانِ جنگ کے سوا حالتِ امن میں اور آبادیوں میں وہ ایک لاکھ پچیس ہزار انسانوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگ چکا تھا۔ واسط کے سیاسی قید خانہ میں پچاس ہزار مرد اور تیس ہزار عورتیں حجاج کے ظلم و بربریت سے سردی گرمی سے غیر محفوظ بدترین غذا اور بدبودار پانی پر سکسک کر جی رہے تھے۔

تو اے لوگو! عبرتِ مظلوم سے نہیں ظالم سے حاصل ہوتی ہے اگر کسی پر ظلم کر کے تم نے اسے مرقعِ عبرت بنا دیا ہے تو دیکھنے والی آنکھیں مظلوم سے نہیں ظالم سے عبرت پکڑیں گی اور قیامت تک ظالم پر لعن طعن کا سلسلہ جاری رہے گا۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

مظلوم کی بددعا سے بچو۔ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔

حضرت شبلی قدس سرہ العزیز نے ایک حکیم سے کہا
گناہوں کا علاج | مجھے گناہوں کا مرض ہے اگر اس کی دوا بھی آپ کے پاس ہو
 تو عنایت کیجئے یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ سامنے میدان میں ایک شخص تنکے چننے میں مصروف
 تھا ہے جو تجھ سے لو لگاتے ہیں وہ تنکے چنتے ہیں

اس نے سراٹھایا اور شبلی کو مخاطب کر کے کہا

شبلی یہاں آؤ میں اس کی دوا بتاتا ہوں۔

حیا کے پھول، صبر و شکر کے پھل، عجز و نیاز کی جڑ، غم کی کونپل، سچائی کے درخت
 کے پتے، ادب کی چھال، حسن و اخلاق کے بیج یہ سب لے کر ریاضت کے ہاون دستہ
 میں کوٹنا شروع کرو اور اشکِ لہجانی کا عرق ان میں روز ملاستے رہو۔ ان سب دواؤں
 کو دل کی دیگی میں بھر کر شوق کے چولہے میں پکاؤ۔ جب پک کر تیار ہو جائے تو صفائے
 قلب کی صفائی میں چھان لینا اور شیریں زبان کی شکر ملا کر محبت کی تیز آنچ دینا۔ جس وقت
 تیار ہو کر اترے تو اس کو خوفِ خدا کی ہوا سے ٹھنڈا کر کے استعمال کرنا۔

حضرت شبلیؒ نے نگاہ اٹھا کر دیکھا وہ دیوانہ غائب ہو چکا تھا۔

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دوکان اپنی بڑھا گئے

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں صلوٰۃ و سلام

بدعت ہے | عرض کرنے کے لئے قیامِ تعطیلی کرنا۔ حضور کی دنیا میں تشریف

آوری کے مقدس مہینہ میں چراغاں کرنا۔ خوشی و مسرت کا اظہار کرنا بدعت ہے۔ کیوں
 اس لئے یہ سب کچھ ثواب سمجھ کر کیا جاتا ہے۔ لیکن دنیا کے بادشاہ کی تعظیم و

توقیر کے لئے گھنٹوں کھڑے رہنا اس کی آمد پر قیامِ تعطیلی کرنا اس کے قدموں میں گلاب
 کے پھول کی پتیاں نچھاور کرنا اس کی آمد پر شہروں کو دلہن کی طرح سجا دینا۔ ہزاروں روپے

خرچ کر کے چراغاں کرنا۔ اس کے استقبال کے لئے وقت مقرر کرنا۔ اہتمام و تداعی کرنا، بدعت نہیں ہے کیوں اس لئے یہ سب کچھ گناہ سمجھ کر کیا جاتا ہے۔

چہ بے خبر ز مستام محمد عربی

شانِ صحابہ: اس کتاب میں حضور علیہ السلام کے صحابہ کرام، خلفائے ثلاثہ امیر المؤمنین سیدنا صدیق اکبر، عثمان غنی، فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فضائل و مناقب دینی و ملی خدمات اور ان کے مخلص مومن مسلمان ہونے کو کتاب و سنت اور فریقین کی معتبر مذہبی و تاریخی کتب کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے اور اس ضمن میں صحابہ کرام پر جو الزامات قائم کیے جلتے ہیں، ان کا معقول جواب دیا گیا ہے۔ کتاب کے مضامین کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے دلائل سے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ قیمت: - ۱۵۱ روپے

مسائل نماز: واجبات، مکروہات اور اس کے نہایت ہی اہم اور ضروری احکام و مسائل کو آسان زبان میں پیش کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کو عموماً اور امان مساجد کو خصوصاً اس کتاب کو زیر مطالعہ رکھنا چاہیے۔ اس کتاب میں نماز کے ایسے اہم اور اشد ضروری مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ قیمت: - ۶ روپے

بانغ فک: الزامات کا معقول جواب دیا گیا ہے۔ قیمت: - ۳۳ روپے

جواہر پارے: علامہ سید محمود احمد رضوی کے تحریر کردہ علمی، ادبی، تاریخی، دینی، مذہبی، اخلاقی، روحانی، اصلاحی، فقہی اور تفسیری مضامین کا قابل مطالعہ ایمان افروز، باطل سوز مجموعہ۔ قیمت حصہ اول - ۷ روپے، حصہ دوم - ۷ روپے، حصہ سوم - ۷ روپے

منے کا پتہ: مکتبہ رضوانی گنج بخش روڈ لاہور

مہر کیا ایک لمعنی اور فضول رسم ہے؟

مہر بے معنی اور فضول اخراجات کی دوسری رسموں کی طرح نہیں ہے یہ جہیز کی طرح بھی نہیں ہے۔ جہیز کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ اس کا دینا لینا جائز و مباح ہے۔ ضروری یعنی فرض و واجب نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص جہیز نہیں دیتا۔ نہ دے۔ مہر کا معاملہ بالکل الگ ہے۔ اس کی ادائیگی شوہر پر لازم و واجب ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا۔

خَاتُوهُنَّ أَجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً

(نساء ۶) جن عورتوں سے نکاح کرنا چاہو ان کے مقرر شدہ مہر انہیں دو

وَالسُّوَالِئَاتِ صَدُقَتُهُنَّ رَحْلَةً (پ) اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دو۔

ان آیات سے واضح ہے۔ مہر خالص عورت کا حق ہے جس کی ادائیگی بہر حال شوہر پر لازم واجب ہے۔ شریعت اسلامیہ نے مہر کو عورت کا ایک ایسا اہم حق قرار دیا ہے کہ اگر بوقت نکاح مہر معین نہ کیا گیا یا مہر کی بالکل منگی کر دی تو بھی مہر کی ادائیگی شوہر پر لازم و واجب ہوگی۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص نکاح کرے اور نیت یہ ہو کہ بیوی کو مہر میں سے کچھ ندوں گا تو وہ زانی مرے گا (طبرانی) یعنی اس کا حشر زانیوں کے ساتھ ہوگا۔ یہ وعید شدید بھی مہر کی شرعی پوزیشن کی وضاحت کے لئے کافی ہے۔ اس لئے مہر کو محض ایک رسم یا فضول رسم سمجھنا اور کہنا قرآن و حدیث کی رو سے غلط ہے۔ البتہ حضور علیہ السلام نے یہ فرمایا ہے کہ بہتر مہر وہ ہے۔ جو آسان ہو (بیہقی) اس ارشاد کا مطلب بھی یہی ہے کہ بہتر یہ ہے کہ مہر کی رقم

ایسی مقرر کی جائے جو آسانی سے ادا ہو سکے۔ لیکن اس کے باوجود قرآن نے گران مہر مقرر کر نیکی ممانعت نہیں فرمائی۔ آیت لِحَدَاہُتٍ قِنْطَارًا دَسَآئِیْہِے گران مہر کے تقرر کا جواز ثابت و واضح ہے۔ حضرت امام دوم خلیفہ رسول سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے برسر منبر یہ فرمایا کہ عورتوں کے مہر گران نہ باندھو۔ ایک عورت نے مذکورہ بالا آیت پڑھ کر عرض کی۔ اے ابن خطاب اللہ ہمیں دیتا ہے اور تم منع کرتے ہو؟ اس پر حضرت فاروق اعظم نے فرمایا۔ عمر تجھ سے ہر شخص زیادہ سمجھدار ہے اس کے بعد فرمایا جو چاہو مہر مقرر کرو۔ یہ خلیفہ رسول کی انصاف پسندی اور نفس کی پاکی تھی کہ آپ نے اعلان کر دیا کہ جو چاہو جتنا چاہو مقرر کرو۔ میں اپنے مشورہ کو واپس لیتا ہوں۔

تاریخ کے اس نہایت ہی صحیح واقعہ سے بھی یہ واضح ہے کہ اسلام نے گراں مہر مقرر کرنے کی ممانعت نہیں کی۔ اس لئے یہ کہنا کہ بھاری بھر کم مہر کا مطالبہ کوئی شرعی و اخلاقی جواز نہیں رکھتا۔ شریعت اسلامیہ پر اقترا محض کے مترادف ہے اور مہر کو مسرفانہ رسوم و رواج کی فہرس میں شامل سمجھنا سخت زیادتی ہے۔

مہر شرعی کی مقدار | شریعت نے کمی کی طرف مقدار مہر معین کی ہے۔ یعنی مہر دس درہم بھر چاندی سے کم نہیں

ہو سکتا۔ درہم شیعی تین ماشہ ایک رتی اور پانچواں حصہ رتی ہے۔ یعنی ۴۰ تولے ۷ ماشہ ۴ رتی۔ خواہ اتنی مقدار میں چاندی دے دے یا اس کی مروجہ رقم۔ کیونکہ چاندی کی قیمت بڑھتی گھٹتی رہتی ہے۔ غرضیکہ اس مقدار سے کم مہر نہیں ہو سکتا اور زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے۔ جس قدر فریقین کے درمیان طے ہو جائے۔ شوہر پر اس کی ادائیگی لازم و واجب ہوگی۔ کیونکہ مقدار شرعی سے جس قدر بھی زیادہ معین کیا جائے جائز ہے۔

مہرتین قسم ہے | **اول معجل :-** وہ ہے کہ رخصتی سے پہلے دنیا قرار پالیا ہو۔ اس کے لئے عورت کو اختیار ہے کہ جب تک وصول نہ کر لے رخصت نہ ہو اور اگر رخصت ہو گئی تو اسے اب بھی اختیار ہے کہ جب چاہے مہر کا مطالبہ کرے اور اس کی وصولی تک اپنے نفس کو شوہر سے روک لے اگرچہ رخصت کو بیس برس گذر گئے ہوں۔

دوم موجل :- جس کی ادائیگی کی میعاد قرار پائی ہو کہ مثلاً دس برس بعد پانچ برس بعد یا پانچ مہینہ بعد یا پانچ دن بعد ادا کیا جائے گا۔ اس میں جب تک وہ میعاد نہ گزرے عورت کو مطالبہ کا اختیار نہیں ہے اور جب میعاد پوری ہو جائے تو ہر وقت مطالبہ کر سکتی ہے۔

سوم مؤخر :- جس کی ادائیگی کے لئے نہ پیشگی کی شرط ٹھہری ہو۔ نہ کوئی میعاد معین کی گئی ہو۔ یہ ہیں مطلق و مبہم طور پر بندھا ہو۔ یعنی اس میں معجل۔ یا موجل کی تصریح نہ ہو۔ یہ مہر مؤخر کہلاتا ہے۔ اس صورت میں جب تک شوہر کی موت یا طلاق واقع نہ ہو۔ عورت کو مہر کے مطالبہ کا حق نہیں ہے۔

واضح ہو | کہ مہر معجل، یا موجل کے لئے شریعت نے کوئی مقدار مقرر نہیں کی۔ جتنا پیشگی دنیا ٹھہرے (معجل) اسی قدر معجل ہوگا۔ باقی کی اگر میعاد قرار پائی ہے تو اتنا موجل قرار پائے گا۔ در نہ مؤخر (۱) ایک ہزار روپے کل مہر مقرر ہوا اور یہ قرار پایا کہ پانچو معجل اور پانچ سو موجل ہوں گے تو پانچو معجل کے متعلق عورت کو اختیار ہے کہ جب تک وصول نہ کرے رخصت نہ ہو اور باقی پانچ سو روپے جو موجل ہیں۔ جب میعاد پوری ہو جائے گی تب عورت کو اس کے مطالبہ کا حق ہوگا۔

(۲) ایک ہزار روپے کل مہر مقرر ہوا۔ پانچ سو روپے معجل قرار پائے تو اس صورت میں عورت کو اختیار ہے کہ جب تک وصول نہ کرے۔ رخصت نہ ہو۔ اور باقی پانچ سو کے متعلق معجل

یا موجل ہونے کی تصریح نہ ہو تو یہ مؤخر قرار پائیں گے۔ یعنی ان پانچ سو روپوں کا جو کہ مؤخر قرار پائے ہیں کا مطالبہ عورت اس وقت کر سکتی ہے۔ جبکہ شوہر طلاق دے دے یا اس کی موت واقع ہو جائے۔ **فائدہ** | اگر کسی قوم یا برادری کا یہ عرف ہو جائے درواج عام کہ موجل یا موجل کی تصریح نہ ہونے کے باوجود مہر کا کچھ حصہ پیشگی دینا ہوتا ہے تو بلا ذکر اور قرار و تصریح بھی اتنا موجل قرار پائے گا اور باقی بدستور موجل یا مؤخر رہے گا (رد المحتار۔ رد المحتار)

جو چیز مال متقوم نہیں وہ مہر نہیں ہو **مہر میں مال متقوم ہونا ضروری ہے** | سکتی۔ مثلاً مہر یہ ٹھہرا کہ شوہر

عورت کی سال بھر خدمت کرے گا۔ یا اسے قسطن مجید یا علم دین پڑھا دے گا یا حج وغیرہ کرادے گا۔ تو ان سب صورتوں میں مہر مثل واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر مہر میں شراب یا خنزیر کا ذکر کیا تو بھی مہر مثل واجب ہوگا۔ (عالمگیری)

شغار کا حکم | شغار یعنی ایک شخص نے اپنی لڑکی یا بہن کا نکاح دوسرے سے کر دیا اور دوسرے نے اپنی لڑکی یا بہن کا نکاح اس سے کر دیا۔

اور ہر ایک کا مہر دوسرے کے نکاح کو قرار دینے دیا تو ایسا کرنا گناہ و منہ ہے اور اس صورت میں مہر مثل واجب ہوگا۔

مہر معاف کرنا | عورت کل مہر یا اس کے جز کو معاف کرے تو معاف ہو جائے گا۔ مگر شرط یہ ہے کہ شوہر نے اس معافی کو قبول کر لیا ہو۔ انکار

نہ کیا ہو۔ (رد المحتار)

بلا تعین مہر نکاح درست ہے | اگر بوقت نکاح مہر کا تعین نہ کیا گیا مہر کی بالکل نفی کر دی تو بھی نکاح صحیح و درست ہے۔

اس صورت میں مہر مثل دینا لازم ہوگا۔ اسی طرح بوقت نکاح مہر شرعی مقرر کیا تو بھی نکاح ہو جائے گا اور مہر مثل لازم ہوگا۔ ان اگر کسی قوم یا برادری میں مہر شرعی ہو لکھا اس سے کوئی غلط

مقدار مراد لی جاتی ہو جو اس قوم یا برادری میں رائج ہے تو جو ان کی اصطلاح معروف و مشہور ہو وہی لازم ہوگی مثلاً کسی قوم میں مہر شرعی کے لفظ سے ایک ہزار روپے مہر مراد لیا جاتا ہے اور یہ بات ان کا عرف بن گئی ہے تو مہر ایک ہزار لازم و واجب ہوگا۔

عام طور پر ۳۲ روپے یا اس سے کم و بیش ۳۲ روپے مہر شرعی نہیں ہے | کو مہر شرعی سمجھتے ہیں یہ غلط ہے۔ اصل مسئلہ

یہ ہے کہ شریعت نے صرف کمی کی طرف مہر کی مقدار مقرر کی ہے۔ یعنی مہر دس درہم ہونا ضروری ہے۔ اس سے کم نہیں۔

البتہ اگر یہ سمجھ کر مہر باندھا کہ سب سے کم درجہ کا مہر جو شریعت میں مقرر ہے۔ تو اس صورت میں ۲ تولے سات ماشہ چار رتی چاندی یا اس کی مروجہ قیمت شوہر پر لازم و واجب ہوگی۔ اور اگر یہ سمجھ کر باندھا کہ جو مہر جناب فاطمہ طیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تھا تو اس صورت میں ڈیڑھ سو تولے چاندی یا اس کی مروجہ قیمت شوہر پر لازم ہوگی اور اگر صرف یہ کہا کہ مہر شرعی مگر کوئی معنی ذہن میں نہیں تھے۔ خالی ایک لفظ بول دیا تو ایسی صورت میں شوہر پر مہر مثل واجب ہوگا۔

مہر مثل کی تعریف | یہ ہے کہ اس عورت کے دھندیاں میں جو عورت اس کی ہم عمر اور صورت و شکل حسن و جمال اور فضل و کمال میں اس عورت کی مانند ہو اور جو اس کا مہر باندھا ہو وہ مہر مثل ہے۔

مہر زیادہ کرنا | شوہر کو ہر وقت اختیار ہے کہ وہ اپنی بیوی کے مہر میں زیادتی کر دے۔ مثلاً بوقت نکاح طرفین کی رضامندی سے پانچ سو

روپے مہر مقرر ہوا۔ شوہر نے پانچ سو اور زیادہ کر دیا تو اب دین مہر ایک ہزار روپے قرار پائے گا۔ مہر زیادہ کرنے کے لئے تجدید نکاح کی ضرورت نہیں۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ جو زیادتی کر رہا ہے وہ معلوم معین ہو اور عورت اسی مجلس میں اس کو

قبول کر لے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ عورت نکاح میں ہو۔ (اگرچہ یہ شرط مختلف فیہ ہے۔

حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا جائز ہے | حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا بھی جائز ہے۔ گناہ نہیں۔ کیونکہ

دولت آنے جانے والی چیز ہے ایک شخص اگر آج غریب ہے تو کل امیر ہو سکتا ہے مگر حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا مناسب نہیں۔ البتہ فی زمانہ مہر ایسی معقول رقم کا ہونا چاہئے کہ شوہر پر کچھ دباؤ نہ ہو۔ وہ اگر کوئی غلط اور ظالمانہ قدم اٹھائے تو اسے یہ تو محسوس ہو کہ اتنی بڑی رقم مجھے مہر کی ادا کرنا ہوگی۔

بیوی کی وفات کے بعد مہر کی ادائیگی | بیوی کی وفات کے بعد مہر کی ادائیگی حسب قواعد شرعیہ اس کے وارثوں

کو کی جانی ضروری ہے۔ ہاں اگر بیوی کے تمام وارثاں۔ جبکہ عاقل بالغ ہوں مہر معاف کر دیں تو معاف ہو جائے گا۔ اگر تمام وارثاں عاقل بالغ ہوں کچھ معاف کرتے ہیں۔ اور کچھ نہیں کرتے۔ تو جو معاف کر دیں۔ ان کا معاف ہو جائے گا۔ جو معاف نہ کریں ان کا حصہ دینا شوہر پر لازم رہے گا۔ اسی طرح جو وارث نابالغ ہیں۔ ان کا حصہ بھی شوہر کو ادا کرنا لازم و واجب ہوگا۔

بصیرت حصہ اول

علامہ سید محمد امجد رضوی مدیر رضوان کے تحریر کردہ
فقہی تفسیری مذہبی اخلاقی اصلاحی
قیمت مجلد / مضامین کا ایمان افزہ مجموعہ ۵ روپے

سینکڑوں ہم مسائل شریعت و احکام اسلامیہ کا

بدل بیان

marfat.com

Marfat.com

حج — ایک عظیم و جلیل عبادت

حج مساواتِ اسلامی کا پیکر ہے۔ جہاں امیر و غریب، شاہ و گدا، جاہل و عالم، بادشاہ اور رعایا ایک لباس، ایک صورت ایک ہی کیفیت سے ایک میدان میں بحضورِ ربِّ العالمین حاضری دیتے ہیں۔ حج انسان کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس دلاتا ہے۔ حج دل کو تمام کدوئوں اور عداوتوں سے پاک کرنے کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ حاجی جب بارگاہِ الہی میں حاضری کا قصد کرتا ہے تو سب سے بری الذمہ ہو کے جاتا ہے۔ حج کسبِ حلال کی طرف بھی آدمی کو متوجہ کرتا ہے۔ کیونکہ ہر شخص مصارفِ حج میں مالِ حلال صرف کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ حج زندگی کی کوتاہیوں پر ندامت، گناہوں کا اعتراف اور آئندہ اطاعت کا اقرارِ شر سے پرہیز اور خیر کی طرف متوجہ رہنے کا عزم ہے۔ بلکہ یوں کہتے کہ حج کے بعد حاجی نئے سرے سے اپنی زندگی کا آغاز کرتا ہے۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا جس نے حج کیا اس میں گناہوں سے بچا۔ تو وہ ایسا ہو کر لوٹتا ہے جیسے اس دن اس کی مال نے اسکو جنا (بخاری)

نیز حضور نے فرمایا بدر کے دن کے سوا عرفہ کے دن سے زیادہ شیطان اور کسی دن ذلیل و رسوا اور غضب ناک نہیں ہوتا، کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ اللہ کی اجمت برس رہی ہے، اور گناہ معاف ہو رہے ہیں۔ (موطائک)

۲۔ عرفہ کے دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے قریب ہو کر جلوہ گر ہوتا ہے اور فرشتوں سے فرماتا ہے: جو انہوں نے مانگا وہ ہم نے قبول کیا۔ (مسلم)

حج و عمرہ گناہوں کو اس طرح صاف کر دیتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے سے سونے

چاندی کے میل کو صاف کر دیتی ہے اور جو مسلمان اس دن (عرفہ) احرام کی حالت میں گزرتا ہے اس کے گناہوں کو لے کر ڈوبتا ہے۔ (نسائی و ترمذی)

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا حج مبرور کی جزا جنت ہے (موطا) عورتوں کا جہاد حج ہے (احمد) حاجی اللہ کے مہمان ہیں (ابن ماجہ)

طواف کعبہ مثل نماز ہے (ترمذی)

حج گناہوں کا کفارہ ہے (بخاری)

افضل ترین عمل جہاد ہے۔ اس کے بعد حج مبرور (بخاری)

کعبہ کے سچا س طواف کرنے والا گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے۔ گویا کہ آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ (ترمذی)

حج اور عمرہ محتاجی اور گناہوں کو ایسے دور کر دیتی ہیں جیسے بھٹی لوہے چاندی، اور سونے کے میل کو دور کرتی ہے۔ (ترمذی) رمضان میں عمرہ کرنا حضور کے ہمراہ حج کرنے کے برابر ہے۔ (بخاری)

حجر اسود کا بوسہ گناہوں کا کفارہ ہے۔ عرفہ کے دن عام بخشش ہوتی ہے۔ (مشکوٰۃ) جس نے بلا کسی عذر شرعی حج نہ کیا اور بغیر حج کیے مر گیا، تو خواہ وہ یہودی ہو کر مرے۔ یا نصرانی ہو کر (ترمذی)

اس لیے جب حج فرض ہو جائے، تو اس میں تاخیر کرنا حرام و گناہ ہے۔

حج کی فرضیت قرآن سے ثابت ہے اس کا منکر کافر ہے

روضہ اقدس کی زیارت واجب ہے | حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی زیارت افضل الاعمال ہے اور قبول حج

و سعادت دنیوی کے لیے ایک عظیم وسیلہ ہے۔

حضرت امام المتقین سید المحدثین امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ میت کہو
کہ حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کی ۔ بلکہ یہ کہو کہ میں نے حضور
کی زیارت کی ہے

حاجبو! آؤ شہنشاہ کاروضہ دیکھو

کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو

حج تو فرض ہے ہی، مگر حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس کی زیارت
اور خاص طور پر حضور ہی کی قبر مبارک کی زیارت کے لیے سفر کرنا مستحب بلکہ بوجہ ہے، اور
حج کے موقع پر بلا عذر حضور کے دربار میں حاضری نہ دینا سخت محرومی ہے۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔ (دارقطنی)

جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر جفا کی۔ (ابن عدی)

جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی، تو گویا اس نے میری زندگی میں میری
زیارت کی۔ (بیہقی)

جو میری زیارت کو آتے سوائے میری زیارت کے کسی اور حاجت کے لیے نہ آیا، تو مجھ پر
حق ہے کہ میں اس کا شیخ بنوں۔ (طبرانی)

جج بدل کے شرائط | (۱) جو جج بدل کرانا ہو اس پر جج فرض ہو۔ اگر فرض نہ تھا
اور جج بدل کرایا، تو جج فرض ادا نہ ہوا۔

۲۔ جس کی طرف سے حج کیا جائے، وہ عاجز ہو یعنی وہ خود حج نہ کر سکتا ہو۔ اگر اس قابل
ہو کہ خود کر سکتا ہے، تو اس کی طرف سے نہیں ہو سکتا۔

۳۔ وقت حج سے دست تک عذر برابر باقی رہے، اگر درمیان میں اس قابل ہو گیا کہ خود حج
کرے، تو پہلے جو حج کیا جا چکا ہے، وہ ناکافی ہے۔

۴. جس کی طرف سے حج کیا جاتے۔ اس نے حکم دیا ہو، بغیر اس کے حکم کے نہیں ہو سکتا۔

۵. حج کے مصارف اس کے مال سے ہوں۔ جس کی طرف جس کو حکم دیا وہی کرے۔ دوسرے

سے اس نے حج کرایا، تو نہ ہوگا۔ آجکل حج بدل کا رواج ہو رہا ہے۔ اس سلسلہ میں مذکورہ بالا شرط کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

جب یہ شرط پاتی جاتی ہے۔ تو جس کی طرف سے حج کیا گیا ہے۔ اس کا حج فرض ادا ہوگا۔

اور حج بدل کرنے والا بھی ثواب پاتے گا۔ مگر اس کا اپنا حج فرض ادا نہ ہوگا۔ بہتر یہ ہے کہ حج بدل کے لیے ایسے شخص کو منتخب کیا جاتے جو اپنا حج فرض ادا کر چکا ہے۔

ماہ محرم کے احکام و مسائل

محرم کی دس تاریخ کو مندرجہ ذیل اہم واقعات رو پذیر ہوئے

۱۔ زمین و آسمان کی پیدائش یوم عاشورہ میں ہوئی۔

۲۔ سب سے پہلے بارش اسی دن ہوئی۔

۳۔ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ اسی دن قبول ہوئی۔

۴۔ نوح علیہ السلام کی کشتی نے اسی دن طوفان سے نجات پائی

۵۔ حضرت ادریس علیہ السلام کو مکانِ علیاء کی رفعت اسی دن حاصل ہوئی۔

۶۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ناریہ فرود اسی دن گل و گلزار بنی۔

۷۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت اسی دن عطا ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ

سے کلام فرمایا۔

۸۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لشکرِ فرعون پر اسی دن فتح یابی ہوئی اور فرعون غرق

نیل ہوا۔

۔ حتیٰ کہ صفحہ قلب سے نہ ملنے والا واقعہ رکھ بلا بھی اسی یوم عاشورہ میں ہوا۔

دس محرم کا روزہ | حضور علیہ السلام نے فرمایا دس محرم کا روزہ مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سال گزشتہ کے گناہ معاف فرما دے۔

یہ نفلی روزہ ہے رکھو تو ثواب نہ رکھو تو گناہ نہیں۔

صدقات و خیرات | دس محرم کو صدقہ و خیرات کرنا باعث برکت ہے خصوصاً حضرت ایام حسین و شہداء کربلا کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی، فاتحہ، غرابہ میں کھانا وغیرہ جو میسر ہو تقسیم کرنا۔ شربت یا پانی کی سبیل لگانا، جائز اور مباح ہے۔

حضرت امام حسین کی مجلس | یعنی کربلا کے صحیح واقعات بیان کرنے کے لیے وعظ کی مجلس قائم کرنا جائز ہے۔ لیکن

شبِیدہ حضرات کی مجالس، گھوڑا اور تعزیہ میں شرکت، گھوڑے پر چڑھاوا چڑھانا، تعزیہ کو امام حسین کی جلوہ گاہ سمجھ کر اس پر پھول، ہار ڈالنا، اس نکلڑی و پنی وغیرہ سے بنے ہوئے تعزیہ سے منت ماننا، اس کی تعظیم کرنا۔ جزع فزع وادبلا کرنا، سینہ ماتھا کوٹنا، بال نوچنا منہ پر طمانچے مارنا، دس محرم کو خاص سوگ کے لیے کالے کپڑے پہننا، امام حسین کا فقیر بننا، گھوڑے کے نیچے سے مستورات کا گزرتا تاکہ اولاد ہو، ناجائز و منوع ہے۔

دس محرم ۱۱ جمعہ کا دن | محرم ۱۱ کی دسویں تاریخ جمعہ کا دن تھا۔ سب جاننا ایک ایک کر کے اسلام کی عظمت اور اسلامی اقدار کی

حفاظت کے لیے اپنی جانیں نثار کر چکے، مگر سیاہ دلاں باطل کسی طرح حق قبول کرنے اور خونِ ناحق و ظلم بے نہایت سے باز رہنے پر تامل نہ ہوتے، تو شہزادہ کوئین سیدنا امام حسین میدان میں گامزن ہوتے یعنی ۱۱

عشرے کی سحر حضرت کیلتے پیغام شہادت لاتی ہے
جتنے تھے ستارے دُوب چکے اب چاند کی باری تھی ہے

ایک نورانی جسم تھا جو شبیہ رسول تھا۔ ایک پیشانی مصفا تھی، جو بوسہ گاہ رسول تھی۔ ایک پیکر نوری تھا، جو خاتون جنت کا تحت جگر اور مولائے کائنات علی مرتضیٰ کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھا۔ یعنی ایک طرف نور تھا حق تھا اور دوسری طرف ظلم و عدوان اور سرکشی و طغیان کا سیلاب عظیم تھا۔ امام گھوڑے پر سوار واد شجاعت دے رہے تھے کہ یکایک باطل نے مجتمع ہو کر تیروں کی بارش شروع کر دی اور امام کی جبین پر ضیا گھائل ہو گئی، امام کو چکرایا گھوڑے سے نیچے آئے۔ اب نامرادان سیاہ باطن نے نیزہ پر رکھ لیا۔ نورانی پیکر خون میں نہا گیا۔ امامت کا در شہوار زمین پر جلوہ فرما ہوا۔ دس محرم جمعہ کے دن چھپین سال پانچ ماہ پانچ دن کی عمر مبارک میں امام نے رحلت فرمائی اور سراقہ س آپ کی والدہ ماجدہ جناب خاتون جنت سیدہ عقیقہ طیبہ طاہرہ فاطمہ زہری کے پہلو میں مدفون ہوا۔

نہ یزید کا وہ ستم رہا نہ زیاد کی وہ جفا رہی
جو رہا تو نام حسین کا جسے زندہ کھتی ہے کربلا

سیدنا امام حسین علیہ السلام حضرت امام حسین عابد و زاہد تھے۔ پورا پورا دل اور ساری ساری راتیں نماز میں گزار دیتے۔ آپ دن رات میں ہزار ہزار رکعت ادا کرتے تھے۔ ذکر و عبادت خداوندی کا یہ ذوق نہ رہنے سے کوفہ تک کے اس سفر میں بھی نہ بھولا جو سفر کربلا سے موسوم ہے، اور جو آپ کی عمر کا آخری سفر تھا۔ ۲۷ رجب کو جب مدینہ سے روانہ ہوتے تو دربار بنوی میں حاضر ہوتے۔ وہاں رات کا ایک حصہ دعا و مناجات میں گزارا۔ ۹ محرم کو جب آپ نے محسوس کیا کہ دشمن لڑنا ہی چاہتا ہے تو آپ نے لشکرِ اشقیاء سے ایک رات کی ہمت لے لی بس یہ رات نمازوں، دعاؤں اور مناجاتوں میں گزاری۔ جعفر بن سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے درمیان خیمہ سے روشنی پھوٹی دیکھی۔ جھانک کر دیکھا کہ امام کے سامنے قرآن کھلا ہوا ہے۔ تلاوت فرما رہے ہیں اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔

جناب امام نے حق و صداقت اور کلمہ حق کی بلندی کے لیے اپنی جان قربان فرمادی، ہمیں چاہیے کہ ہم امام حسین کے نقش قدم پر چلیں، اور ان کے اصول و کردار کو اپنائیں۔

علمی و تحقیقی مفت سالہ

أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا

وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ
وَحَرَّمَ الرِّبَا -

اور اللہ تعالیٰ نے حلال کیا بیع کو
اور حرام کیا سود کو۔

بیع کے معنی اور اس کے شرائط
بیع کے معنی ان دو سے لغت مطلقاً مبادلہ کے
ہیں۔ بشر اس کی ضد ہے اور اصطلاح شرع
میں بیع کے معنی یہ ہیں کہ دو شخصوں کا یا ہم مال کو مال سے ایک مخصوص صورت کے
ساتھ تبادلہ کرنا۔

۲۔ بیع قول اور فعل دونوں سے ہو سکتی ہے۔ اگر قول سے ہو تو ایجاب و قبول اس
کے ارکان ہیں۔ مثلاً ایک نے کہا میں نے بیچا دوسرے نے کہا میں نے خریدا اور اگر
فعل سے ہو تو چیز لینا اور دینا اس کے ارکان ہیں اسی لینا اور دینا ایجاب و قبول کے قائم مقام
ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر بیچے والے پکارتے ہیں۔ اس گلاس کی قیمت ایک روپیہ، ایک پیر
خریدار آتا ہے ایک روپیہ دے دیتا ہے اسی گلاس اٹھ لیتا ہے۔ طرفین باہم کوئی بات
نہیں کرتے مگر دونوں کا فعل ایجاب و قبول کے قائم مقام قرار پا جاتا ہے۔ اس قسم کی
بیع کلتفطی کہتے ہیں۔

۳۔ بیع کے طرفین میں سے ایک کو بائع اور دوسرے کو مشتری کہتے ہیں۔
۴۔ ایسے دو لفظ جو تملیک و تملک کا افادہ کریں۔ یعنی جن کا یہ مطلب ہو کہ چیز
کا مالک دوسرے کو کر دیا یا دوسرے کی چیز کا مالک ہو گیا۔ ان دو لفظوں کو ایجاب و

قبول کہتے ہیں۔ پہلا کلام ایجاب اور اس کے مقابل میں بعد واسلے کلام کو قبول کہتے ہیں مثلاً بائع نے کہا میں نے یہ چیز اتنے دام میں بیچی مشتری نے کہا میں نے خریدی۔ تو بائع کا کلام ایجاب ہے اور مشتری کا قبول ہے۔

۵۔ بیع کے صحیح ہونے کے لئے چند شرائط ہیں۔

اول۔ بائع و مشتری کا عاقل ہونا۔ یعنی مجنوں یا بالکل ناسمجھ بچے کی بیع صحیح نہیں، دوم عاقد کا متعدد ہونا یعنی ایک ہی شخص بائع بھی ہو اور مشتری ہو، یہ نہیں ہو سکتا۔ سوم ایجاب و قبول میں موافقت ہو۔ یعنی جس چیز کا ایجاب ہے اسی چیز کا قبول ہو۔ چہارم ایجاب قبول کا ایک مجلس میں ہونا۔ پنجم: بائع و مشتری کا باہم ایک دوسرے کے کلام کو سننا۔ ششم بیع کا موجود ہونا۔ مال مقوم ہونا مملوک ہونا۔ ممدور التسلیم ہونا ضروری ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ صل کو یا تھن جو دودھ ہے۔ اس کی بیع جائز نہیں، ہو سکتا ہے کہ جانور کا پیٹ یونہی پھول گیا ہو اور اس کے پیٹ میں بچہ نہ ہو اور تھن میں دودھ نہ ہو۔ خون اور مردار کی بیع جائز نہیں کہ یہ مال نہیں شراب و خمر زہر کی بیع مسلمان کے حق میں جائز نہیں کہ یہ مال مقوم نہیں ہے پھل نمودار ہونے سے پہلے بیچنا صحیح نہیں۔

ہفتم۔ بیع موقت نہ ہو۔ اگر موقت ہے مثلاً یہ کہے یہ سائیکل میں نے ایک سال کیلئے بیچا، تو یہ بیع صحیح نہیں۔

ہشتم۔ بیع و ثمن دونوں اس طرح واضح ہوں کہ نزاع پیدا نہ ہو سکے۔ اگر مجہول ہوں کہ نزاع پیدا ہو سکتا ہے تو بیع صحیح نہیں۔ مثلاً بکریوں کے ریوڑ میں سے ایک بکری بغیر متعین کئے بیچی یا یہ کہنا یہ بکری واجبہ دام پر بیچا ہوں۔ یا یہ کہا۔ فلاں شخص جو دام اس کا مقرر کرے اس پر بیچا ہوں تو یہ بیع درست نہیں کہ اس میں جھگڑا ہو سکتا ہے۔

۶۔ بیع کا حکم یہ ہے کہ مشتری بیع کا مالک ہو جائے اور بائع ثمن کا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بائع پر واجب ہے کہ بیع کو مشتری کے لئے تو اسے کر دے اور مشتری پر لازم ہے کہ بائع کو

مثن (قیمت) دیدے۔

لغت میں ربا کے معنی زیادتی اور بلندی کے ہیں اور اصطلاح شرح
ربوا کے معنی میں دیا ایسی زیادتی کو کہتے ہیں جو بغیر کسی مالی معاوضہ کے حاصل
کی جائے۔ زمانہ جاہلیت میں عموماً ربا اسی کو کہتے اور سمجھتے تھے جسے آج سود کہا جاتا ہے۔
یعنی ادھار کی میعاد پر معین شرح کے ساتھ زیادتی یا نفع لینا۔ عرب میں اکثر راج یہ تھا کہ
ایک معین رقم معین مدت کے لئے معین مقدار سود پر قرض دیدی جاتی تھی۔ مقروض
نے اگر میعاد مقررہ پر رقم واپس کر دی تو مقررہ سود لے کر معاملہ ختم ہو گیا اور اگر مقروض میعاد
مقررہ پر رقم واپس نہ کر سکا تو آئندہ کے لئے مزید سود کا معاملہ طے کیا جاتا تھا۔

آٹھویں سال فتح مکہ کے موقع پر جب آیات ربوا نازل ہوئیں تو ان کو سنتے ہی ربوا
کے متعارف معنی جو جاہلیت عرب کے زمانہ میں مروج تھے۔ (یعنی قرض کی رقم پر معین نفع
لینا) کو سب سمجھ لیا اور اس کو قطعاً حرام جان کر چھوڑ دیا۔ چنانچہ ربا کی یہ تعریف
ایک حدیث میں ان الفاظ سے آئی ہے۔

كُلُّ قَرْضٍ حَبْرٌ مَنْفَعَةٌ فَهُوَ رِبَاٌ | جو قرض نفع لائے وہ ربوا ہے۔
اگرچہ اس حدیث کی سند پر حرج کی گئی ہے۔ حتیٰ کہ اس کی اسناد کو ضعیف بتایا گیا ہے،
لیکن فقہاء کرام اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ اور سراج منیر میں اس حدیث کو حسن لغیرہ
قرار دیا گیا ہے۔ تاہم اگر کسی کو اس حدیث سے استدلال کرنے میں تاہل ہو تو یہ بات تو بالکل
واضح ہے کہ ربوا کی جو تعریف حدیث مذکورہ میں بیان ہوئی ہے (یعنی قرض پر نفع لینا)
آیات ربوا کے نزول سے قبل بھی تمام عرب میں مشہور و معروف تھی اور جب آیات
ربا نازل ہوئیں تو لوگوں نے مذکورہ بالا مفہوم کو ربا سمجھا، اور اسی کو حرام قطعی جان کر
ترک کر دیا تو اگر اس حدیث سے استدلال نہ بھی کیا جائے تو بھی لغت عرب اور رواج
عرب اس کے مفہوم کو متعین کرنے کے لئے کافی تھا۔

مدت کے بدلے میں معاوضہ لینے سے منع کیا۔ اگر کسی پر ہزار درہم ہوتے ایک مقرر وقت تک تو جلدی ادائیگی کی صورت میں کچھ کم کر دیے جاتے۔ اگر اس وقت اس کے اوپر ہزار درہم ہوتے تو کہتا کہ مدت بڑھاؤں میں سو درہم بڑھا دوں گا۔ تو یہ جائز نہیں ہے کہ یہ سو درہم معاوضہ میں مدت کا۔

حظران یؤخذ للاجل عوض
فاذا كانت عليه الف درهم
موجلة فوضع عنه على ان يعجله
۵۔ لو كان عليه الف درهم
حالة فقال له اجلفي وازيدك
فيها مائة درهم لا يجوز لان
المائة عوض من الاجل

الغرض قرآن مجید نے جس ربا کو حرام قرار دیا ہے۔ اس کا مشہور و متعارف مفہوم قرض دے کر اس پر نفع لینا ہے۔ رباؤ کے اس مفہوم میں نہ کوئی الجھاؤ ہے اور نہ ابہام۔ زمانہ نبوی سے لے کر آج تک تمام صحابہ کرام و ائمہ دین اس کے حرام قطعی ہونے پر متفق ہیں۔

حضرت فاروق اعظم ارشاد

ربوا کی تشریح کے متعلق حضرت فاروق اعظم کا بیان فرماتے ہیں کہ حضور پر تو آخری

آیت نازل ہوئی وہ سود کے متعلق ہے اور حضور نے

اِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبِضَ وَلَمْ يَفْسِرْهَا لَنَا فَدَعَا - الربوا۔ والرَّيْبُ - ابن ماجہ واری

اس کی پوری تشریح بیان نہیں فرمائی تھی کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ لہذا سود بھی چھوڑ دو۔ اور ان کو بھی چھوڑ دو جن میں سود کا شائبہ ہو۔

دوسری روایت کا مضمون یہ ہے جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

تین مسائل ایسے ہیں کہ مجھے یہ تمنا رہ گئی کہ کاش حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم

ان کے متعلق ہم پر مزید تشریح و توضیح فرما دیتے۔ دوسرے تو میراث کے ہیں

(یعنی وادا اور کلالة کی میراث) اور ربوا کے بعض ابواب و اقسام کی تشریح

(تفسیر ابن کثیر)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذکورہ بالا ارشاد دراصل ربا کی قسم دوم ہی کے متعلق ہے۔ جن کا بیان حدیث نبوی میں آیا ہے۔ اسی قسم دوم کی تشریحات کے متعلق جناب فاروق اعظم نے تشکیک کا اظہار فرمایا۔ یعنی یہ حکم ان چیزوں کے ساتھ مخصوص ہے یا یہ چھ چیزیں بطور مثال کے بیان ہوئی ہیں اور دوسری اشیاء اسی حکم میں داخل ہیں اور اگر دوسری اشیاء بھی اسی میں داخل ہیں تو ان کا ضابطہ کیا ہے؟

یہ ہی وجہ ہے کہ ائمہ مجتہدین سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ امام شافعی و امام مالک و امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے اپنے اجتہاد سے ان چیزوں کا ضابطہ مقرر کیا۔ اور دوسری اشیاء کو بھی اسی ضابطہ کے ماتحت اس حکم میں داخل قرار دیا۔

ربا کی قسم اول جسے قرآن نے بیان کیا ہے۔ حضرت فاروق اعظم کا مذکورہ بالا بیان اس کے متعلق ہرگز نہیں ہے کیونکہ قرض پر نفع لینا تو ربا کا ایسا مفہوم ہے جو آیت ربا کے نزول سے قبل ہی مشہور و معلوم تھا۔ اور قرآن نے اس کو حرام قطعی قرار دیا۔ پس قسم اول کے ربا کا حرام قطعی ہونا قرآن مجید و حدیث رسول اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

سودی لین دین منغسی و ناداری کی وجہ سے ہو یا تجارت واضح ہو کہ قرآن نے مطلقاً سود کو حرام قرار دیا ہے۔ یعنی قرض پر

کی غرض سے بہر حال حرام و ناجائز و ممنوع ہے

نفع لینا خواہ کسی بھی وجہ سے ہو بہر حال حرام ہے۔ سودی لین دین اپنی کسی مصیبت منغسی و ناداری کی بنا پر کیا جائے یا سرمایہ دار متمول تاجر اپنی تجارت کے لئے سودی معاملہ کرے۔ آیت حرم الربا کے عموم و اطلاق کی بنا پر حرام قطعی ہے۔ کچھ لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ غریب مصیبت زدہ شخص کو قرض دے کر اس پر سود لینا حرام ہے۔ لیکن سرمایہ دار متمول تاجر کو قرض دے کر سود لینا جائز ہے۔ ایسا خیال قرآن مجید کی کھلی ہوئی تحریف ہے۔ قرآن مجید کی مختلف سورتوں کی تقریباً آٹھ آیات سے اور

متعدد احادیث میں سود کی ممانعت کا ذکر ہے مگر ان آیات و احادیث میں مذکورہ بالا خیال کا اشارہ تک نہیں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ربا کے معاملہ میں اس فرق کو بیان نہیں فرمایا اور مطلقاً ربا کو حرام قرار دیا ہے تو ایسی صورت میں کسی کو یہ حق کیسے پہنچتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مطلق حکم کو بلا دلیل شرعی اپنی رائے سے مقید کر دے۔ اس لئے حق یہی ہے کہ غریب و مصیبت زدہ کو قرض دیکر اس پر نفع لیا جائے یا سرمایہ دار متمول شخص اپنی تجارتی ضرورت کی بنا پر قرض لے اور اس پر نفع لیا جائے۔ آیت حرم الربوا کے عموم و اطلاق کی بہت سی پر حرام قطعی ہے۔

چنانچہ یہ ایک حقیقت ہے اور آیات ربا کے شان نزول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ آیات ربا کے نزول سے پہلے عرب اور بالخصوص قریش کے تجارت پیشہ تجارتی اغراض کے لئے قرض لیتے تھے اور اس پر سود دیتے تھے۔ (عینی)

عرب کے لوگ قرض پر نفع لینے کو خواہ وہ کسی بھی وجہ سے بویع کی طرح جلال سمجھتے تھے۔ قرآن مجید نے ان کے اس قول کی تردید فرمائی اور واضح نکتوں میں یہ فیصلہ فرمادیا۔ بیع وربوا کو یکساں سمجھنا غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال اور ربا کو حرام قرار دیا ہے۔

ربا کی ایک قسم یعنی قرض پر نفع لینا خواہ کسی بھی وجہ اور غرض سے ربا کی دوسری قسم | ہو۔ کو آیت حرم الربوا نے حرام و ممنوع قرار دیا۔ اور حضور سرور عالم نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ شارع بھی ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تشریعی اختیارات بھی دیئے ہیں۔ تو حضور نے اپنے اس منصب خاص کی بنیاد پر بیع و شراء کی خاص صورتوں کو ربا قرار دے کر حرام فرما دیا آپ نے فرمایا۔

سونا چاندی، گندم، جو، کھجور، نمک کالین دین برابر سہارا ہونا چاہیے۔ ان چھ چیزوں کے باہمی تبادلہ و بیع میں۔

کمی بیشی کرنا ربا ہے اور ادھار کا معاملہ کرنا اگرچہ برابر سہارا ہو، یہ بھی

ربو اسے۔ (بخاری)

چونکہ ربا کی یہ قسم پہلے سے عرب میں رائج و مشہور نہ تھی اور عام لوگ قرض پر نفع لینے ہی کو ربا سمجھتے تھے۔ اس لئے بعض وہ لوگ جنہیں اس حدیث کا علم نہ ہوا۔ اس قسم کے ربا کی حرمت کے قائل نہ تھے۔ حتیٰ کہ امام فقہ و تفسیر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے عظیم و جلیل صحابی بھی اس قسم کے ربا کو حرام نہیں سمجھتے تھے۔ (مسلم) لیکن جب حضرت ابوسعید صحابی نے حضرت ابن عباس کو مذکورہ بالا حدیث سنائی تو انہوں نے اپنے سابقہ فتویٰ و عمل سے رجوع کیا اور اپنی غلطی پر استغفار فرمایا۔

پس سود کی ایک قسم تو وہ ہے۔ جیسے آیت حرام الربوا نے حرام قطعی قرار دیا۔ اور سود کی دوسری قسم وہ ہے جسے حضورؐ کا عالم اہل اللہ علیہ وسلم نے اپنے تشریحی اختیارات کی بنا پر حرام قرار دیا یعنی بیع و شراء کی وہ مخصوص صورتیں جن کا بیان احادیث صحیحہ میں آیا ہے اور جن کی توضیح و تشریح آئندہ صفحات میں بیان کی جائے گی (انشاء اللہ) واضح ہو حضور علیہ السلام قرآن کے شارح

حضور علیہ السلام کا تشریحی منصب | بھی ہیں، سورہ نحل کی آیت لَتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ میں حضورؐ کے اسی منصب کا ذکر ہے کہ قرآن کے شارح ہونے کی حیثیت سے حضور قرآن کے اجمال کی توضیح۔ اس کے جزئیات کی تعیین، اور اس کے ابہام کی تبیین فرماتے ہیں۔

اور حضورؐ شارح بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو تشریحی اختیارات بھی دیئے ہیں۔ شارح ہونے کی حیثیت سے حضورؐ کسی چیز کو حرام یا حلال فرماتے ہیں گو اس کا ذکر قرآن مجید میں نہ ہو۔

سورہ اعراف کی آیت يَا مَعْشَرَ النَّبِيِّينَ وَبِالْغَيْبِ وَيَكَلِّمُهُمُ مِنَ الْمُنْكَرِ وَيَجْعَلُ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ سے واضح ہے کہ حضورؐ کو تشریحی

اختیارات عطا ہوئے ہیں یعنی حلال و حرام و امر و نہی صرف وہی نہیں ہے جو قرآن میں بیان ہوا ہے۔ بلکہ جو کچھ حضور نے حرام یا حلال قرار دیا ہے یا جس چیز کا حضور نے حکم دیا یا جس چیز سے منع فرمایا وہ بھی اللہ کے دیئے ہوئے اختیارات سے ہے اور وہ بھی قانون خداوندی کا ایک حصہ ہے اور یہی بات سورہ شکر کی آیت مَا اتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ سے ثابت ہے اس آیت میں امر و نہی اور تحلیل و تحریم کو حضور کا فعل قرار دیا ہے نہ کہ قرآن کا مثلاً سورہ نساء میں قرآن نے دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں جمع کرنے سے منع فرمایا ہے اب دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں جمع کرنا حرام قطعی ہے۔ اور حضور علیہ السلام نے اپنے تشریعی اختیارات کی بنیاد پر بھی بھٹی، خالہ، بھانجی کو بھی جمع کرنا حرام قرار دیا ہے۔ تو اسی طرح آیت حرم الربوا نے قرض پر سود لینے کو حرام قطعی قرار دیا اور حضور علیہ السلام نے اپنے تشریعی منصب کی بنیاد پر باکی دوسری قسم بیان فرمائی اور آپ نے بیع و شراء کی چند مخصوص صورتوں کو ناجائز و ممنوع قرار دیا اور جن چیزوں کو حضور نے حلال یا حرام قرار دیا ہے۔ وہ بھی قانون خداوندی کا ایک حصہ ہے۔

ربوا کی قسمیں | فقہاء کرام ربوا کی قسم اول جس کی حمت قرآن مجید سے غیر مبہم طریقہ سے ثابت ہے یعنی قرض پر فسخ لینا اس کو ربوا القرآن ربوا الفیض اور ربوا الجاہلیہ سے موسوم کرتے ہیں اور ربوا کی دوسری قسم جو قرآن کے الفاظ سے نہیں بھی جاتی بلکہ بیان رسول (حدیث) سے معلوم ہوئی ہے اس کو ربوا الحدیث، ربوا النقد، ربوا البیع ربوا الفضل سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یعنی ربوا کی وہ صورتیں جو حضور علیہ السلام نے بیان فرمائیں، واضح رہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

سونا سونے کے بدلے چاندی چاندی کے بدلے گندم گندم کے بدلے جوہر کے بدلے کچھ کچھ کے بدلے ہتھک ٹک کے بدلے میں اگر یاد دیا جائے تو ان کا لین دین برابر اور دست بدست ہونا چاہیے۔ اس میں کئی بیش (یا ادھل) ربوا کے حکم میں

ہے (بخاری) تو یہ چھ چیزیں جن میں کمی بیشی ادھار کو حضور نے ربا قرار دیا ہے، اس کے ربا ہونے میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔ چھ متجانس چیزوں میں کمی بیشی اور ادھار کا معاملہ کرنا۔ تمام صحابہ کرام آئمہ دین و آئمہ اربعہ کے نزدیک ربا ہے اور حرام ہے۔ واضح ہے کہ فقہاء اسلام میں سے ربا نے نصیحت (سودی قرض) کے حرام قطعی ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی نزاع ہے یہ بات قرآن و سنت و اجماع امت سے ثابت ہے۔ قرآن مجید نے بڑی سختی کے ساتھ اس کی ممانعت فرمائی ہے۔ اس سے زیادہ تنبیہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ سود خواروں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور اپنے رسول سے برسرِ جنگ قرار دیا ہے۔ "فَاذِنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ" غور کیجئے اس السلطان ضعیف البنیان کا کیا حشر ہوگا۔ جو ایک زبردست طاقت والے اللہ رب العالمین سے برسرِ بیکار ہو۔ بلاشبہ ایسا شخص خود کو ہلاکت و بربادی میں ڈال رہا ہے۔

البتہ یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ حدیث میں جن چھ چیزوں میں کمی بیشی و ادھار کو ربا قرار دے کر حرام قرار دے کر حرام قرار دیا گیا ہے تو یہ حکم ان چھ چیزوں ہی کیساتھ خاص ہے؟ یا دوسری اجناس بھی اس میں داخل ہیں اگر داخل ہیں تو ان کا ضابطہ کیا ہے؟ حضور علیہ السلام نے واضح طور پر خاص اس امر میں ضابطہ کلی بیان نہیں فرمایا اور حضرت عمرؓ نے بھی اسی خاص امر کے متعلق فرمایا۔

کہ حضور نے اس کے متعلق پوری تشریح نہیں فرمائی۔

یہ ہی وجہ ہے کہ فقہاء امت و آئمہ مجتہدین نے اپنے اجتہاد سے ضابطہ مقرر کیا اور بتایا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس معاملہ میں توضیح و تشریح نہ فرمایا جسی اللہ ہی کیا مرضی اور اس کے حکم کے مطابق تھا۔ مرضی الہی یہ ہی معنی کہ خاص معاملہ محفلِ مہم بن رہا ہے اور آئمہ مجتہدین۔ اپنے اجتہاد سے اس کو طے کریں اور اس طرح امت محمدیہ کے مجتہدین۔ جواب کی صورت میں دواجر اور خطا کی صورت میں ایکساہر کے مستحق ہو جائیں۔

شرح سود کچھ بھی ہو بہر حال حرام ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا
الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ
لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ | لے ایمان والو سود دونا - دون نہ کھاؤ
اور اللہ سے ڈرو -

زمانہ جاہلیت میں - سود خواری کا عام طریقہ یہ تھا کہ ایک خاص میعاد معین کے لئے ادھار پر سود کا معاملہ ہوتا اور جب وہ میعاد کسر پر آجاتی اور قرضدار اس کی ادائیگی پر قادر نہ ہوتا تو اس کو مزید مہلت اس شرط پر دی جاتی کہ شرح سود بڑھادی جاتی - اس طرح دوسری میعاد پر بھی ادائیگی نہ ہوتی تو مزید مہلت کے لئے سود کی مقدار اور زیادہ کر دی جاتی - اور ایسا بار بار کیا جاتا جیسا کہ آج کل بھی سود خور کرتے ہیں اور اسے سود در سود کہتے ہیں - آیت مذکورہ میں جاہلیت عرب کے اس ظالمانہ طریقہ کی مذمت کی گئی اور اکس کو ممنوع و حرام قرار دیا گیا - لہذا آیت کے یہ معنی کرنا کہ سود اضعاف و مضاعفت نہ ہو تو حرام نہیں ہے - قرآن مجید کی تحریف مسموی ہے کیونکہ حرمت سود کی آیت حرم الربوا میں سود کو واضح طور پر حرام قرار دیا گیا ہے، خواہ وہ اضعاف مضاعفت ہو یا نہ ہو اور اس کی مثال ایسے ہی ہے - جیسے قرآن مجید میں فرمایا -

لَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا | میری آیتوں کے بدلے تھوڑی سی قیمت مت لو -
تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ قرآن مجید کی آیات اور اس کے احکامات میں تغیر و تبدل بہت زیادہ قیمت کے عوض کرنا جائز ہے (معاذ اللہ) تو ایسے ہی اس آیت میں اضعافا مضاعفا کے الفاظ عرب جاہلیت کے سود در سود لینے کے طریقہ پر نکیر کرنے اور اسے

ص: چنانچہ علماء موطا پر کا خیال یہ ہی ہے یہ حکم صرف ان اشیاء کے اندر منحصر ہے جو حدیث میں مذکور ہوئیں - منہ =

استہائی درجہ کا ظالمانہ فعل قرار دینے کے لئے ہے یہ الفاظ سود کی حرمت کے لئے شرط یا قید ہرگز نہیں ہیں۔۔۔۔۔ اس لئے شرح سود خواہ کچھ بھی ہو سودی لین دین بہر حال حرام و ناجائز ہی ہے۔

سابقہ سود کا مطالبہ بھی حرام ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذُرُوا
وَمَا بَقِيَ مِنَ الْيُوعُونَ كُنْتُمْ مُوْ
مِنِينَ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا
بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ

اے ایمان والو۔ اللہ سے ڈرو اور چھوڑ
دو جو باقی رہ گیا ہے سود اگر مسلمان ہو پھر
اگر ایسا نہ کرو تو یقین کر لو اللہ اور اللہ کے
رسول سے لڑائی کا۔

یہ آیت ان اصحاب کے حق میں نازل ہوئی جو سود کی حرمت نازل ہونے سے قبل سودی
لین دین کرتے تھے اور ان کی گراں قدر سودی رقمیں دوسروں کے ذمہ باقی تھیں۔ اس آیت
میں حکم دیا گیا کہ سود کی حرمت نازل ہو جانے کے بعد سابق کا مطالبہ بھی واجب الترتیب ہے
اور پہلا مقرر کیا ہوا سود بھی اب لینا جائز نہیں ہے اس کے بعد اس حکم کی خلاف
ورزی کرنے والوں کو سخت و شدید وعید سنائی گئی کہ اگر تم نے سود نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ
اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔ یہ وعید شدید ایسی ہے کہ کفر کے سوا۔
کسی بڑے سے بڑے جرم پر ایسی وعید کتاب و سنت میں نہیں ہے جس سے سود خوری کے
گناہ کی شدت کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا۔

وَإِنْ تَبَيَّنَ فَلَكُمْ رُءُوسُ	اگر تم تو یہ کرو۔ تو۔ اپنا اصل مال لے
أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا	لو۔ نہ تم کسی کو نقصان پہنچاؤ، نہ
تُظْلَمُونَ (بقرہ)	تمہیں نقصان ہو۔

یعنی سود کی رقم خواہ کتنی ہی ہو جائے اور وہ اضعا فاضعا عفو کی شکل ہی کیوں نہ اختیار کر
جائے صرف (راس المال) اصل رقم ہی کے لینے کے حق دار ہو گے اور اصل رقم پر سود کا
لینا بہر حال حرام و گناہ قرار پائے گا۔

شان نزول | ائمہ تفسیر نے وذر و مایقی من الربوا کا شان نزول یہ بیان فرمایا ہے۔
قبیلہ بنو ثقیف کے خاندان - بنی عمرو بن عمیر اور قبیلہ بنی مخزوم کے

ایک خاندان بنو مغیرہ کے درمیان تادمہ جاہلیت کے سود کا لین دین چلا آتا تھا ان میں سے
بنو مغیرہ مسلمان ہو گئے اور ۹ھ میں قبیلہ ثقیف جو طائف کے رہنے والے ہیں۔ ان کا
ایک وفد عمرو بن عمیر کی قیادت میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں (مدینہ
منورہ میں) حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گیا (البدایہ والنہایہ لابن کثیر)

مسلمان ہونے کے بعد ان لوگوں نے آئندہ کے لئے سودی کاروبار سے توبہ کر لی
لیکن پچھلے معاملات کے سلسلہ میں بنو ثقیف کی ایک بڑی سودی رقم بنو مغیرہ کے ذمہ واجب الاداء
تھی۔ جب انہوں نے اس کا مطالبہ کیا تو بنو مغیرہ نے جواب دیا: مسلمان ہونے کے بعد اب
ہم سود ادا نہیں کریں گے۔ کیونکہ جیسے سود کا لینا حرام ہے۔ اسی طرح اس کا دینا بھی حرام
ہے۔ اسی طرح اس کا دینا بھی حرام ہے۔ اس جھگڑے کا مقدمہ حضرت عتاب بن اسید
کی عدالت میں مکہ میں پیش ہوا۔

حضرت عتاب یا حضرت معاذ نے بحضور نبوی اس معاملہ کے متعلق عرض پیش کیا کہ اس
مقدمہ کا کیا فیصلہ کیا جائے۔ حضور علیہ السلام کی خدمت میں جب یہ عرض پہنچا تو سورہ بقرہ
کی مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی۔

وَزَرَوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا | اور پھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود
اس آیت میں واضح طور پر حکم دیا گیا کہ حرمت سود کی آیات کے نزول کے بعد جس کسی
کے بھی ذمہ سود کی رقم واجب الاداء ہے، اب اس کا لینا اور دینا جائز نہیں ہے۔ حضور
علیہ السلام نے حضرت عتاب بن اسید کو یہ ہی جواب بھجوا دیا۔ چنانچہ آیت قرآنی سن کر
بنو ثقیف و بنو مغیرہ نے بالاتفاق توبہ کی اور یہ عہد کیا کہ اب ہم سود کی رقم کا مطالبہ نہیں کریں گے

سود کے متعلق حضور کا ایک اہم خطبہ

چنانچہ سترہ حجۃ الوداع کے موقع پر بمقام منی حضور علیہ السلام نے اپنے مقدس خطبہ میں اعلان فرمایا۔

خوب سمجھ لو جاہلیت کی تمام رسمیں میرے قدموں کے نیچے مسل دی گئیں اور زمانہ جاہلیت کے باہمی قتل و خون کے انتقام آئندہ کے لئے ختم کر دیئے گئے اور سب سے پہلا انتقام میں ساقط کرتا ہوں۔ ربیعہ بن عارض کا۔ جو قبیلہ بنی سعد میں رضاعت کے لئے دیئے

گئے اور ان کو بذیل نے قتل کر دیا تھا۔ (اسی طرح)

زمانہ جاہلیت کا سود پھوڑ دیا گیا اور سب سے پہلا سود جو میں ساقط کرتا ہوں۔ وہ عباس بن عبد المطلب کا سو ہے وہ سب کا سب ختم کر دیا گیا۔

وَرَبَّاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعَةٌ وَ
أَوَّلُ رَبِّبَا أَضْعَ رَبِّبَاتِ بْنِ
عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَإِنَّهُ مَوْضُوعٌ
كُلُّهُ۔ مسلم۔ بروایت جابر فی حجۃ الوداع

حضور سید المرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا یہ عظیم و جلیل خطبہ اسلام میں دستور و اصول کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضور نے (زمانہ جاہلیت) کے قتل و خون کے انتقام ساقط کر دیئے اسی طرح گذشتہ زمانے کے سود کو بھی ختم کر دیا اور اس کی ابتداء سب سے پہلے اپنے خاندان سے فرمائی۔ وہ حضرت عباس اور خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا شرکت میں کا رہا تھا۔ اور ان کا طائف کے بنی ثقیف کے ساتھ لین دین تھا۔ حضرت عباس کی ایک بھاری رقم بحساب سود۔ بنی ثقیف کے ذمہ واجب الاداء تھی۔ جب حضرت عباس نے بنی ثقیف سے اپنی سودی رقم کا مطالبہ کیا تو حضور علیہ السلام نے حضرت عباس کو اپنی سودی رقم کے پھوڑ دینے کا حکم دیا۔

حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور نے فتح مکہ کے بعد مکہ کا امیر مقرر فرمایا تھا اور حضرت معاذ بن جبل کو ان کے ساتھ تعلیم قرآن و سنت کے لئے مقرر فرمایا تھا۔
۲۔۔ یعنی شرح بخاری ج ۱۱ ص ۲۱۲ روح المعانی تفسیر بحر محیط۔ تفسیر ابن جریر تفسیر ابن کثیر۔ البدایہ والنہایہ۔

سودی لین دین گناہ عظیم ہے

سودی کاروبار کرنے والوں کے متعلق۔ حدیث میں سخت و شدید وعید آئی ہے۔ ذیل میں چند

احادیث بنویہ پیش کی جاتی ہیں۔ اللہ سے ڈرنے والوں اور آخرت پر پختہ عقیدہ رکھنے والوں کے لئے تو یہ ہی چند احادیث کافی ہیں۔

۱۔ الرِّبَاءُ اثْنَانِ وَسِتُونَ بَابَا
أَرْمَاهَا مِثْلَ اتِّكَانِ الرَّجُلِ
مُسْلِمٌ أَدْبَاهُ يَهْقِي - ابن ماجہ و ابن جریر

حضور سید عالم نور عظیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سود کا دو گناہ) بائیسٹھ گنا ہے ان میں سے ایک کم درجہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں سے زنا کرے۔

۲۔ حضور سید المرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سود لینے والے اور سود دینے والے سود کا کاغذ لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی (بخاری)

مَلْعُونُونَ عَلَى لِسَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ (ترمذی)

۳۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ سود کا ایک درہم جس کو جان کر کوئی کھائے۔ وہ ذرہم ربا یا کلمۃ الرّجل و هو یعلمہ اشد من سبت و ثلاثین زنیۃ (احمد)

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شب معراج ساتویں آسمان پر پہنچ کر جب میں نے اوپر نظر اٹھائی۔ تو چمک کر دکھائی اور گرج دیکھی۔ پھر مرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا۔

فَاتَيْتُ عَلَى قَوْمٍ يُطُونَهُمْ
كَالْبُيُوتِ فِيهَا الْحَيَاتُ مَرَى مَنْ
رَجَبٍ مِنْ خَارِجٍ يُطُونَهُمْ قُلْتُ يَا جِبْرَائِلُ
مَا مِنْ هَؤُلَاءِ قَالَ هَؤُلَاءِ اِكْلَةُ الرِّبَا

جن کے پیٹ کمروں کی طرح (بڑے بڑے) تھے۔ ان میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو باہر سے نظر آتے تھے۔ میں نے جبریل سے فرمایا یہ کون لوگ ہیں؟ جبریل نے جواب دیا یہ سود خوار ہیں۔

نیز حضور نے فرمایا کہ میں نے سود خوار کو خون کی نہر میں دیکھا۔ جب وہ اس نہر سے نکلا چاہتا تو کنا سے پر کھڑا ایک شخص اس کے منہ پر اس زور سے تھپڑ مارتا کہ وہ پھر اس خون کی نہر میں جا گرتا میں نے پوچھا کہ خون کی نہر میں کون تھا؟ کہا۔ اکل الرِّبَا سود خوار (بخاری)

فرعونِ کلیم

عصائے کلیم اڑو ہائے غضب تھا

گروں کا سہارا عصائے محمدؐ

سیدنا ابراہیم خلیل علیہ السلام کے بعد سیدنا یعقوب علیہ السلام تک ان کی اولاد کنعان میں مقیم رہی۔ اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام مصر چلے گئے اور مملکت مصر کے تاجدار بنے۔ اور مصر ملک میں قحط پڑا اور یعقوب علیہ السلام مع اپنی اولاد سے مصر چلے گئے اور یہاں ان کی اولاد اسرائیل کے نام سے خوب بھلی بھولی۔ حتیٰ کہ فرعون مصر اور اس کے ساتھی بھی دنیا سے اٹھ گئے اور مصر میں بدظمی کا دور دورہ شروع ہو گیا۔

فرعون ولید ابن مصعب جو آئندہ جاکر فرعون مصر کے لقب سے مشہور ہوا۔ اصفہان کا ایک غریب عطار تھا جب اس پر قرض کی زیادتی ہوئی، تو اصفہان چھوڑ کر شام میں آ گیا۔ جب وہاں سے بھی اسے کوئی ذریعہ معاش نظر نہ آیا، تو وہ مصر پہنچ گیا۔ یہاں اس نے دیکھا، شہر کی بہ نسبت گادیں میں تر بوز بہت کستے ہیں۔ شہر میں فروخت کیے جانے تو کافی نفع ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے تر بوز خریدے اور شہر کی طرف روانہ ہوا، مگر ہوا پر اسے کئی جگہ محضول دینا پڑا، اور شہر پہنچنے پر صرف ایک تر بوز اس کے پاس باقی رہ گیا۔ آدمی چونکہ سمجھا رہا تھا، اپنے ساتھ اس سلوک سے اس نے یہ میچ نکالا کہ یہاں کاشا ہی انتظام انتہائی خراب ہے۔ بادشاہ عیش و عشرت میں مصروف ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ جو چاہتا ہے حکم میں جاتا ہے اور عوام پر حکومت کرتا ہے۔ فرعون جب شہ کی طرف روانہ ہوا، تو اتفاق سے شہر میں بانی

مرض کی وجہ سے اموات ہو رہی تھیں۔ یہ قبرستان میں بیٹھ گیا اور کہا میں شاہی افسروں۔
مردوں پر ٹیکس ہے۔ فی مردہ مجھے پانچ درہم دو اور دفن کرو۔ اس کی یہ چالاکی چل گئی اور چند دنوں
میں اس کے پاس بہت سامان جمع ہو گیا۔ اتفاقاً ایک روز شہر کا کوئی بڑا آدمی مرا۔ جب وہ دفن
کے لیے لایا گیا، تو فرعون نے اس کے ورثہ سے بھی ٹیکس طلب کیا۔ انہوں نے اس کو گرفتار کر کے
بادشاہ مصر کے حضور پیش کر دیا۔ بادشاہ نے اس سے استفسار کیا کہ تجھے قبرستان کا افسر کس نے
بنایا؟

فرعون نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور نہایت متانت سے بادشاہ مصر کے کہا:
”میں آپ کا خیر خواہ ہوں۔ آپ کی مجلس میں پہنچنے کا مجھے کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ اس لیے
میں نے یہ راستہ اختیار کیا کہ آخر لوگ تنگ آکر کبھی تو مجھے دربار میں پیش کر دیں گے۔ اب میں آپ
کو بتاتا ہوں کہ آپ کے ملک میں سخت بد نظمی ہے۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ میں نے تین مہینے
کے عرصے میں ظلم اُتار کھایا ہے، آپ خیال کر سکتے ہیں کہ آپ کے حکام کیا کچھ نہ کرتے ہوں گے۔ یہ
کہ کہہ سارا مال بادشاہ کے حضور پیش کر دیا اور کہا کہ اگر آپ انتظام میرے سپرد کر دیں، تو میں ملک
کی بد نظمی دور کر دوں گا۔ بادشاہ کو یہ بات پسند آگئی اور اس نے فرعون کو ایک معمولی عہدہ دے دیا۔
مگر فرعون نے انتہائی تدبیر اور سیفہ سے اپنے فرائض ادا کیے۔ حتیٰ کہ بادشاہ اور عایا دونوں میں
مقبول ہو گیا اور رفتہ رفتہ ترقی حاصل کرتا ہوا وزیر اعظم کے منصب پر فائز ہو گیا۔ اتفاق سے مصر
کا بادشاہ مر گیا، عوام چونکہ اس کے انتظام سے خوش تھے، رعایا نے ولید فرعون کو بادشاہ تسلیم کر لیا۔
(تفسیر روح البیان)

حکومت و اقتدار اللہ کی عظیم نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے، مگر یہ
خدا کی کا دعویٰ | اس اس کو آتی ہے جو تخت حکومت پر بیٹھ کر اللہ رب العالمین کو نہ

بھٹوے اور انعامات الہیہ کا شکر گزار رہے۔ فرعون جو ایک مفلس اور جاہل شخص تھا۔ دولت و
تکبر کے آئینہ میں ایسا مہوت ہوا کہ اپنی حقیقت کو فراموش کر بیٹھا اور تکبر و غرور کا پتلا بن گیا۔

ایک اعلان کے ذریعے حکم جاری کیا کہ سب مجھے سجدہ کریں۔ درباریوں نے سنہری و روپری مصلحتوں کی بنا پر سجدے کرنے شروع کر دیے۔ حتیٰ کہ اہل مصر خدائے واحد قہار کی پرستش کی بجائے فرعون کو پوجنے لگے۔ تفسیر عزیزی میں رقم ہے کہ بنی اسرائیل نے فرعون کی عبادت سے انکار کر دیا تھا۔ اس پر فرعون نے اپنی خدائی منوانے کے لیے بنی اسرائیل پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ دیے۔ زیئون اور گندھک کاتیل کھولا کہ اس میں بنی اسرائیل کو جھوٹک دیا۔ مگر بنی اسرائیل نے ان مصائب کو برداشت کیا۔ اور اللہ کی عبادت سے منہ نہ موڑا۔ آخر ایمان نے مشورہ دیا کہ ان کو جلانے کے بجائے غلام بنالیا جائے۔ اور انہیں انتہائی ذلت و نامرادی کے ساتھ زندہ رہنے دیا جائے چنانچہ فرعون نے اسرائیلیوں پر سختیاں شروع کر دیں، جس کا بیان قرآن مجید میں بھی ہے۔

خواب | اسی زمانہ میں فرعون نے خواب دیکھا کہ بیت المقدس کی طرف سے ایک آگ آئی ہے جس نے تمام قبیلوں و فرعونوں کو جلا کر رکھ دیا ہے، مگر اسرائیل اس آگ سے محفوظ رہے ہیں۔ تعبیر پوچھی تو معبود نے بتایا کہ اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ جو تیری حکومت کا تختہ الٹ دے گا۔ فرعون نے فوراً حکم دیا اور ایک ہزار سپاہیوں اور ایک ہزار داتیوں کو اس امر کے لیے مقرر کیا کہ جس گھر میں لڑکا پیدا ہو۔ اس کو فوراً قتل کر دے۔ کہتے ہیں چند سال میں بارہ ہزار یا ستر ہزار بچے قتل ہوئے اور نوے ہزار حمل گرتے گئے۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ اسرائیل کی نسل ختم ہونے لگی۔ اور ان کے بڑے بھی مرنے لگے۔ تب قبیلوں نے فرعون سے کہا۔ اگر یہی حال رہا، تو پھر اسرائیل ختم ہو جائیں گے۔

فرعون و کلیم | اور ایسی صورت میں خدمت کے لیے غلام کہاں سے ملیں گے۔ اس پر فرعون نے حکم دیا۔ ایک سال کے لیے بچے قتل کیے جائیں۔ اور ایک سال چھوڑے جائیں۔ اللہ کی شان کہ چھ ماہ کے سال میں حضرت ہارون برادر موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوتے، اور قتل کے سال میں موسیٰ علیہ السلام تولد ہوتے۔

پیدائش کلیم

اسیدنا موسیٰ کی والدہ کا نام عائدہ ہے اور عائدہ صاحبہ ہیں۔ فرعون نے اپنی ایک داتی ان سے گھر مقرر کر دی ہے۔ وہ منتظر ہیں کہ کب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوں۔ اور انہیں موت کی آغوش میں لے لیا جائے۔ عائدہ دروزہ میں مبتلا ہیں۔ ولادت کا وقت قریب ہے۔ گھر کے باہر فرعون کے سپاہی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہو گئے۔

داتی : واللہ چاند کا ٹکڑا ہے۔ مجھے تو بہت ہی اچھا لگتا ہے۔ خدا کے لیے اس کو بچاؤ۔

عائدہ : بہن شرم مت کرو، باہر فرعون کی کھڑے ہیں۔ کہیں سن نہ لیں۔

داتی : آہ کیا پیارا بچہ ہے اور آنکھیں تو دیکھو کتنی خوبصورت ہیں۔ اچھا لو میں ایک تدبیر کرتی ہوں۔ اس بکری کے بچے کو ذبح کر دو۔ اور ہانڈی میں ڈال دو۔ بکری کا بچہ ذبح کر دیا گیا۔

سپاہیوں کے قدموں کی آہٹ، ایک آواز "لڑکی ہے یا لڑکا؟"

داتی : (سپاہیوں سے) بھتی لڑکا پیدا ہوا ہے۔ مگر میں نے اسے ذبح کر دیا ہے۔ یہ دیکھ لو ہانڈی میں ہے۔

ایک سپاہی : مگر تم کہاں جا رہی ہو۔ ہمیں دکھاؤ تو سہی۔

دوسرا سپاہی : ہاں ہاں دیکھنا تو چاہیے، ہے کیا؟

تیسرا سپاہی : چھوڑو بھی یار نیند آرہی ہے۔ چلو چلیں۔ بچے کو مار ہی دیا ہے۔

سپاہی چلے گئے۔ قدرت نے ان کی آنکھوں پر پرے ڈال دیے اور آپ اپنے گھر میں ہی پردہ نش پاتے رہے۔

ادھر بنجومیوں نے فرعون کو اطلاع دی کہ بنی اسرائیل کا وہ بچہ جس کے لیے تو نے ہزاروں بچوں کو قتل کرا دیا ہے۔ پیدا ہو چکا ہے اور صحیح و سلامت موجود ہے۔

فرعون : یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ میرے سپاہی ہر گھر کی نگرانی کرتے ہیں۔

بنجومی : رب اعلیٰ۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ مگر ہمارا علم بتا رہا ہے کہ وہ بچہ زندہ ہے اور اپنے

والدین کے گھر ہی پرورش پا رہا ہے۔

فرعون : غصہ سے ہاتھ مسلتے ہوئے۔ اچھا، کوتوال، کوتوال، کوتوال !!!
کوتوال : جی رب حضور۔

فرعون : معلوم ہوتا ہے تم نے اپنے فرائض میں کوتاہی کی ہے۔ بخوبی کتنے ہیں، وہ بچہ زندہ ہے،
اور پیدا ہو چکا ہے۔

کوتوال : رب اعلیٰ میں نے کوتاہی نہیں کی۔ میں نے تو بعض اوقات رڑکیوں کو رڑکے کے شبہ میں احتیاطاً
مروادیا ہے۔ رب اعلیٰ میں بے قصور ہوں۔

فرعون : بکو اس مت کرو۔ یہ تمہاری سازش معلوم ہوتی ہے اور تم میری سلطنت کے تباہ کرنے
پر تلے ہوئے ہو۔

کوتوال : حضور۔ رب اعلیٰ نہیں نہیں مجھے معاف کر دیجئے میں بے قصور ہوں بے قصور۔ سپاہیوں
سے غلطی نہیں ہوتی ہوگی۔ رب اعلیٰ میں نے غلطی نہیں کی۔

فرعون : کل عمران کے گھر جو بچہ پیدا ہوا تھا۔ اس کا کیا بنا؟

کوتوال : رب اعلیٰ وہ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

فرعون : بکو اس کرتے ہو، وہ زندہ ہے۔ آخر اس کو کیوں زندہ چھوڑا گیا؟

کوتوال : حضور میرے سپاہیوں نے کہا ہے کہ اس کو مار دیا گیا ہے۔

فرعون : سپاہیوں کو بلاؤ۔

کوتوال : (سپاہیوں سے) دیکھو پچ پچ بتا دو۔ ورنہ جان کی خیر نہیں ہے۔ رب اعلیٰ کے قہر سے بچنا
چاہتے ہو، تو حقیقت حال بتاؤ۔

ایک سپاہی : رب اعلیٰ عمران کے رڑکے کے متعلق داتی نے یہ کہا تھا کہ اس کو قتل کر دیا گیا ہے اس
نے ایک ہانڈی بھی دکھائی تھی۔ جس میں بچہ تھا۔

دوسرا سپاہی : رب اعلیٰ میں نے یہ کہا تھا کہ اس ہانڈی کو دیکھ لو۔ مگر میرے یہ سامنے میری بات

کو نہ مانے۔

کو لوال : مردود تم نے دیکھا کیوں نہیں؟

سپاہی : حضور ہم سے غلطی ہو گئی۔

فرعون : (جھجھلا کر) ان سپاہیوں کو تختہ دار پر چڑھا دو اور تم فوراً ابھی جاؤ اور عمران کے گھر کا محاصرہ

کرو۔ خبردار ایک چڑیا بھی باہر نہ نکلنے پاتے۔ اور بچے کا سہ میرے حضور پیش کرو۔ اب

کی مرتبہ لا پڑوا ہی نہ ہو۔ ورنہ سر قلم کرادوں گا۔

عمران کے گھر کا محاصرہ : حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے گھر میں ہیں۔ ان کی بہن انہیں گود میں

لیے ہوتے ہے کہ اچانک گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز آتی۔

مریم : مریم خدا خیر کرے امی یہ آواز کیسی ہے؟

عائذ : گھبراؤ نہیں اللہ بہتر ہی کرے گا۔

مریم : امی! وہ دیکھو سپاہی آرہے ہیں۔ امی آگئے۔ وہ آگئے۔

عائذ : اب کیا ہوگا؟

مریم : لیجئے وہ گھر میں گھس آتے۔ میرے اللہ کیا کروں۔ (حضرت مریم اپ کو جیتے ہوئے تنور

میں ڈال دیتی ہیں)

سپاہی : بتاؤ وہ بچہ کہاں ہے۔ جلدی بتاؤ ورنہ تمہارے گھر کو آگ لگا دی جائے گی۔

مریم : تلاشی لے لیجئے ہمارے گھر کو تو بچہ نہیں ہے!

(سپاہی تلاشی لیتے ہیں کچھ نہ پا کر واپس ہو جاتے ہیں)

عائذ : بیٹی مریم موسیٰ کہاں ہے؟

مریم : میں نے تو انہیں تنور میں ڈال دیا تھا۔

عائذ : آف تو نے یہ کیا کیا؟

مریم : امی اگر وہ موسیٰ کو دیکھ پاتے، تو ہم سب کو قتل کر دیتے۔ آخر میں کیا کرتی؟

عامد: اچھا دیکھو تو تنور سے شعلے نکل رہے ہیں؟

مریم: تنور سے شعلے نکل رہے ہیں؟ مگر امی موسیٰ زندہ ہیں!

عامد: اللہ کا شکر ہے جو آگ میں بھی موسیٰ کی حفاظت فرما رہا ہے۔ مگر بیٹی اب اس فرزند کی زندگی مشکل نظر آتی ہے۔

مریم: امی پھر کیا کیا جائے۔ کہاں جانیں اور کس طرح موسیٰ کی پرورش کریں؟

عامد: مجھے ایک تدبیر سمجھ میں آتی ہے موسیٰ کو کسی کشتی میں رکھ کر دریائے نیل میں بہا دیا جائے شاید انہیں کوئی دوسرا شخص اٹھائے اور وہاں ان کی پرورش ہو جائے اور اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔

مریم: مگر یہ کیسے اور کیونکر ہو؟

عامد: بیٹی مریم! موسیٰ کی پرورش کا یہی طریقہ نظر آتا ہے۔ ہر وقت دل ہاتھوں میں رہتا ہے۔ مجھے

تو یہی تدبیر سمجھ میں آتی ہے۔ ایک صندوقچہ میں موسیٰ کو رکھ کر دریائے نیل کے سپرد کر دیا جائے۔

ممکن ہے کوئی انہیں اٹھائے اور ان کی پرورش ہو جائے۔

مریم: ہاں یہ بات ہی تو ہے۔ آخر اس طرح کب تک ہم ان کی پرورش کریں گے؟

عامد: مگر صندوقچہ کس سے بنوایا جائے۔ اور اس کام کو کس طرح انجام دیا جائے۔

عامد: ہمارے محلے کے بڑھتی سے صندوقچہ بنوایا جاسکتا ہے۔ ذرا مریم سانوم کو بلا لاؤ۔

(سانوم بڑھتی آتا ہے)

عامد: دیکھو سانوم تم ہمارے پڑوسی ہو، ہمیں ایک صندوقچہ بنا دو۔ مگر کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔

نوم: سانوم بہت اچھا۔ آخر مجھے بھی آپ سے تعلق ہے۔ میں کل ہی صندوقچہ بنا کر آپ کے

پاس لے آؤں گا۔

عامد: سانوم صندوقچہ تیار کر چکا ہے۔ ادھر فرعون کے سپاہی اعلان کر رہے ہیں۔ جو شخص بھی

بنی اسرائیل کے اس بچہ کی ہمیں اطلاع دے گا۔ جو فرعون کو مطلوب ہے۔ اسے انعام سے

مالا مال کر دیا جائے گا۔ سانوم نے اعلان سنا اور فرعون کو اطلاع دینے کے لیے گھر سے باہر

نکلا۔ ایک قدم ہی باہر رکھا تھا کہ زمین میں ٹخنوں تک دھنس گیا۔

غیبی آواز: خبردار سانوم اگر ایک قدم باہر رکھا یا یہ راز ظاہر کیا تو زمین میں دھنسا دیے جاؤ گے۔
سانوم: رحم رحم۔ میں وعدہ کرتا ہوں یہ راز کسی کو نہ بتاؤں گا۔ سانوم صندوقچے کے عائد کے گھر پہنچا اور کہا لیجئے صندوقچہ تیار ہے۔

عائد: اس صندوقچے کی بنوائی کیا ہے؟

سانوم: مگر مجھے ذرا اس مقدس بچے کی زیارت تو کروا دیجئے جس کا اتنا بڑا رتبہ ہے۔

مریم: لودیکھ تو تم سے کیا چھپاؤ ہے۔

سانوم: قربان جاؤں چاند کا ٹکڑا ہے۔ کتنی خوبصورت ہے۔ سانوم حضرت موسیٰ کو پیار کرتا ہے
قدموں کو بوسہ دیتا ہے اور بے اختیار پکاراٹھاتا ہے۔ 'امنٹ ہوٹ موسیٰ'

✽

✽

✽

روانگی: حضرت عائد نے صندوقچے کا جائزہ لیا۔ نرم و گرم بستہ بچھایا۔ پھر اپنے فرزند و لبند کو منہ لاکر
خوشبو لگائی۔ عمدہ کپڑے پہنائے۔ سینے سے لگایا اور صندوقچے میں بند کر کے دریائے نیل کے
سپر دے کر دیا۔

صندوقچہ روانہ ہوا۔ ماں کا کلیجہ منظر جدائی کی تاب نہ لاسکا۔ چوٹ لگی۔ فرزند کی جدائی نے تڑپا
دیا کہ یکایک آواز غیبی سے انہیں مطلع کر دیا۔

”یہ بچہ آخر تمہیں ہی ملے گا۔“

اسی دریائے ایک نہر فرعون کے محل کو جاتی تھی۔ جس کا نام عین الشمس تھا۔ اللہ کی قدرت
یہ صندوقچہ اسی نہر کے ذریعے فرعون کے باغ میں پہنچ گیا۔

فرعون مصروف سیر ہے اس کے مصاحب اور حضرت آسیہ اس کے ساتھ ہیں کہ یکایک
ایک صندوق نہر میں تیرتا ہوا نظر آیا۔

رتبہ اعلیٰ ایک لکڑی کا صندوق نہر میں نمودار ہوا ہے۔

فرعون: (حیران ہو کر) صندوق۔ صندوق۔ یہ کیسے؟
اسیہ: ذرا اس صندوق کو تولاؤ۔ دیکھیں کیا ہے۔

”مصاحب صندوق لے آئے۔ کھولا گیا۔ ایک حسین و جمیل بچہ نمودار ہوا۔“

فرعون: یہ درسی بچہ ہے جس کی نجومیوں نے اطلاع دی تھی۔ یہ خود ہی میرے پاس چلا آیا ہے
اس کو فوراً قتل کر دو۔

اسیہ: نہیں یہ تو بہت حسین ہے۔ گلاب کا پھول ہے۔ دیکھو تو کتنا خوبصورت ہے آپ
کو دہم ہو گیا ہے۔ یہ وہ بچہ نہیں ہے۔

فرعون: نہیں! ہاں! ہاں! ہاں! یہ بچہ..... ہاں خوبصورت تو بہت ہے، مگر۔
اسیہ: آپ نے لاکھوں بچے قتل کروا دیے ہیں۔ وہ کہاں بچ سکتا ہے۔ یہ بچہ بنی اسرائیل
کا معلوم نہیں ہوتا۔ میرے اولاد بھی تو نہیں ہے۔

اللہ نے میری گود بھردی۔ میں اسی کو اپنا بیٹا بناؤں گی۔

فرعون: اچھا کوئی حرج تو نہیں ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ بچہ.....
اسیہ: (بات کاٹ کر) آپ یقین رکھیے یہ بچہ وہ نہیں ہے۔ بڑا ہوگا، تو آپ کا نام روشن کرے
گا تخت سنبھالے گا۔ آخر آپ کو ولی عہد کی ضرورت بھی تو ہے۔



فرعون کے گھر میں حضرت موسیٰ کی پرورش شروع ہوئی۔ حضرت آسیہ نے بہت سی
دائیاں آپ کی پرورش کے لیے مقرر کیں۔ مگر آپ نے کسی کو دودھ نہ پیا، آخر مریم
حضرت موسیٰ کی بہن جو حضرت آسیہ کے پاس موجود تھیں، آپ کی تجویز سے حضرت موسیٰ کی دودھ کو دیا۔
کیا گیا اور اس طرح ماں کو اپنا بیٹا مل گیا۔ دو سال تک والد نے آپ کی پرورش کی۔ پھر حضرت آسیہ نے فرعون
تربیت انجام دیے اور فرعون کو بھی آپ سے محبت ہو گئی۔ ایک دن فرعون آپ کو گود میں کھلا۔ ہاتھ لگا کر
آپ نے اس کی داڑھی پکڑ کے ایک ٹانچہ مار دیا۔ فرعون غصے سے بھر کر بولا: میں کہتا تھا یہ بچہ

ہے جس نے میری بے عزتی کرنی ہے۔

حضرت آسیہ نے فرمایا نیچے نا سمجھ ہوتے ہیں۔ ان کے فعل کا کیا اعتبار۔ یہ تو آگ میں بھی ہاتھ ڈال دے گا۔ فرعون کو شک ہو گیا، کہنے لگا۔ امتحان تو کرو۔

ایک طشت میں سونا اور دوسرے میں آگ کا انکار رکھا گیا۔ قریب تھا کہ حضرت موسیٰ سونے کی طرف ہاتھ بڑھائیں کہ جبرائیل نے آگ کی طرف ہاتھ کر دیا۔ آپ نے آگ کا انکار اٹھایا اور منہ میں رکھ لیا۔ جس سے آپ کی زبان میں لکنت پیدا ہو گئی

الغرض: جب آپ کی عمر ۲۳ سال کی ہوئی، تو آپ نے سرداران بنی اسرائیل کو جمع کر کے کہا۔ تم فرعون کی مصیبت میں مبتلا ہو۔ یہ تمہارے گناہوں کی شامت ہے۔ نذرمان لو کہ اگر اللہ نے تمہیں اس سے نجات دی تو اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کریں گے۔ انہوں نے نذرمان لی۔

قصہ مختصر: اسی زمانہ میں حضرت موسیٰ کے ایک مکتہ سے اتفاقی طور پر ایک قبلی ہلاک ہو گیا اور قبیلوں کے سردار نے فرعون سے مطالبہ کر دیا کہ وہ موسیٰ سے قصاص دلوائے۔

ابھی یہ مطالبہ جاری ہی تھا کہ تزقیل نامی ایک شخص نے جو حضرت موسیٰ پر درپردہ ایمان لا چکا تھا یہ مشورہ دیا کہ بہتر ہے کہ آپ یہاں سے کہیں چلے جائیں۔ آپ کے قتل کے منصوبے ہو رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس مشورہ کے مطابق مصر سے مدین روانہ ہو گئے اور وہاں آپ حضرت شعیب علیہ السلام کے گھر مقیم ہوئے۔ انکی صاحبزادی حضرت صفورا سے آپ کا نکاح ہوا۔ (تفسیر عزیزی)

دس سال تک آپ مدین میں مقیم رہے۔ پھر چالیس سال تک آپ فرعون کا مقابلہ کرتے رہے۔ حتیٰ کہ فرعون غرق ہوا۔ قرآن مجید میں فرمایا:

وَاذْقُنَا بَكْمَ الْبَحْرِ فَاغْنَيْنَاكُمْ

وَاعْزِقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَاسْتَمِمْ نَظَرَهُمْ

اور جب ہم نے تمہارے لیے دریا کو

پھاڑ دیا، تو تمہیں بچا لیا اور فرعون والوں

کو تمہاری آنکھوں کے سامنے ڈب دیا۔

یہ بنی اسرائیل پر دوسری نعمت کا بیان ہے جو ان پر فرمائی گئی۔ دریا ان کے لیے سڑک بن گیا۔

اور فرعون کو مع اس کی قوم کے ان کے سامنے ثابت کر دیا گیا۔ یہ ایسے تاریخی واقعات تھے، جن سے بنی اسرائیل واقف تھے۔ اس لیے مجمل طور پر ان کو یہ نعمتیں یاد دلانی گئی ہیں۔ فرقہ کے معنی فصلنا کے ہیں یعنی دریا میں فاصلہ ہو گیا اور جانے کیلئے راستہ بن گیا۔ آل فرعون سے فرعون "مع اپنی قوم کے مراد ہے۔ جیسے آیہ کرنا بنی آدم میں حضرت آدم اور ان کی اولاد دونوں داخل ہیں (مجل)۔

غرق فرعون

حضرت موسیٰ علیہ السلام شب کو بحکم الہی بنی اسرائیل کو مصر کے گردانہ ہوسکے صبح کو فرعون کی تلاش میں لشکر گراں لے کر چلا۔ اور انہیں دریا کے کنارے جا لیا۔ بنی اسرائیل نے لشکر فرعون کو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی۔ آپ نے بحکم الہی دریا میں اپنا عصا مارا۔ اس کی برکت سے عین وسط دریا میں بارہ خشک رستے پیدا ہو گئے۔ پانی دیواروں کی طرح کھڑا ہو گیا اور ان آبی دیواروں میں جانی کی طرح دشمنان بن گئے۔ بنی اسرائیل کی ہر جماعت ان رستوں میں ایک دوسرے کو دیکھتی اور باہم باتیں کرتے گزر گئی۔ فرعون بھی دریائی راستوں کو دیکھ کر ان میں چل پڑا۔ جب اس کا تمام لشکر دریا کے اندر آ گیا۔ تو دریا اپنی اصلی حالت پر آیا اور تمام فرعونی اس میں غرق ہو گئے۔ اس دریا کا عرض چار فرسنگ تھا۔ یہ واقعہ بحر قنوقم کا سب سے بڑا بحر قنوقم کے کنارے پر واقع ہے یا بحر ماورائے مصر کا واقع ہے۔ جس کو اسف کہتے ہیں۔ بنی اسرائیل اب دریا فرعونوں کی غرقابی کا منظر دیکھ رہے تھے۔ یہ غرق محرم کی دسویں تاریخ کو ہوا۔

شکر یہ کا روزہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی غرقابی اور اپنی قوم کی نجات کی خوشی میں اس دن روزہ رکھا۔ یہ روزہ اللہ کے شکر ادا کرنے کے لیے تھا حضور نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی یہود اس دن کا روزہ رکھتے تھے۔ حضور نے بھی اس دن کا روزہ رکھا اور فرمایا کہ حضرت موسیٰ کی فتح کی خوشی منانے اور اس کی شکر گزاری کرنیکے لیے ہم یہود سے زیادہ حقدار ہیں۔ اس آیت سے ذیل کے مسائل معلوم ہوتے (۱) عاشورہ کا روزہ سنت ہے (۲) جہن انبیاء پر انعام الہی ہوا اس کا شکر بجالانا اس دن کی یاد کا قائم کرنا مسنون ہے (۳) ایسے امور میں دن معین کرنا سنت رسول سے (۴) یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء کی یاد کا اگر کفار بھی قائم کرتے ہوں تو مسلمانوں کو اسوجہ سے اس کو چھوڑنا نہیں چاہیے۔

صدقات و خیرات کے آداب احکام و مسائل

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ
 اے ایمان والو! اپنی پاک کمائی سے کچھ راہِ خدا میں دو!
 حضرت سید المسفرین ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس آیت میں یہ ہدایت دی گئی ہے۔
 صدقہ و خیرات پاک و عمدہ مال سے دیا جائے حضرت ابو موسیٰ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ
 وسلم نے فرمایا ہر مسلمان پر صدقہ کرنا واجب ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کی اے اللہ کے نبی
 اگر کسی کے پاس مال نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ آپ نے فرمایا اپنے ہاتھ سے محنت کر کے خود
 بھی نانہذا اٹھائے اور صدقہ بھی کرے۔ صحابہ نے کہا اگر یہ بھی نہ ہو سکے، آپ نے فرمایا
 کسی مصیبت زدہ حاجت مند کی مدد کرے۔ صحابہ نے کہا اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے؟ آپ نے
 فرمایا۔ اچھی باتوں پر عمل کرے اور بُری باتوں سے اجتناب کرے۔ اس کے لئے یہی
 صدقہ ہے۔ (بخاری)

قرآن مجید میں فرمایا گیا :- لَا تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنَ
 رِبَاءٍ وَنُمُودٍ | وَالَّذِي دَاوَى (الخ) اے ایمان والو! اپنے صدقے باطل نہ کرو،
 احسان رکھ کر اور ایذا دے کر۔

اس آیت سے واضح ہوا کہ جو لوگ ربا و نمود کے لئے صدقہ و خیرات کرتے ہیں
 کہ سخی کہلائیں اور لوگ ان کی تعریف کریں تو ایسی خیرات بے کار ہے۔ اس نیت سے
 خیرات کرنے کی مثال یہ ہے کہ جیسے پتھر پر دانہ بویا اور رُور کی بارش ہو گئی تو دانہ بہ جاتا ہے
 اور پتھر صاف ہو جاتا ہے اسی طرح ربا و نمود کی خیرات ضائع ہو جاتی ہے۔ یوں ہی کسی

غریب و مسکین کی امداد و اعانت کر کے اس کو حبت لانا اور بار بار سنا کر اس کو شرمندہ کرنا بھی ثواب کو ضائع کرنا ہے۔ علامہ عینی علیہ الرحمہ نے لکھا کہ اس آیت میں اللہ عز و جل اس شخص کو دجو کہ احسان جتا کر ثواب صدقہ کو باطل کر دیتا ہے، اس شخص کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو ریاء و نمود کے لئے صدقہ کرتا ہے اور مشبہ بہ مشبہ سے اقوی ہوتا ہے، لہذا ریاء کار یقیناً اس سے بدتر قرار پائے گا۔

۳۔ قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا أَذًى وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ ۝

اچھی بات کہنا اور درگزر کرنا اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد ایذا دینا ہو اور اللہ تعالیٰ بے پڑاؤ و حلیم ہے

اس آیت میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ اگر سائل کو کچھ نہ دیا جائے تو اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنی چاہیے اور خوش خلقی سے پیش آنا چاہیے اور اگر وہ سوال میں اصرار کرے یا زبان درازی کرے تو درگزر کرنا چاہیے اور اچھی بات کہنا اور درگزر کر دینا اس صدقہ سے بہتر ہے جس کا احسان جتایا جائے اور بار بار سنا کر اس کو شرمندہ کیا جائے۔

۴۔ يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبْوِيَّةَ يَوْمَ الصَّدَقَاتِ (قرآن)

اللہ تعالیٰ ہلاک کرتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو۔

یہ آیت سورہ بقرہ پ ۳ رکوع ۳۸ کی ہے۔ سود کو ہلاک کرتا ہے "کا مطلب یہ ہے کہ سود کو برکت سے محروم کرتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سودی مال سے نہ صدقہ قبول کرے نہ حج نہ جہاد نہ صلہ اور صدقہ کو بڑھاتا ہے " کے معنی یہ ہیں کہ اس میں برکت عطا فرماتا ہے۔ دنیا و آخرت میں ان کا اجر و ثواب بڑھاتا ہے، لہذا صدقہ و خیرات حلال و پاکیزہ کمائی سے ادا کرنا چاہیے تاکہ وہ بارگاہ الہی میں شرف قبولیت پائے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے

راہ خدا میں دے کر احسان جتنا نامدوم ہے | جو لوگ اللہ تعالیٰ کے

وَالَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يَتَّبِعُونَ مَا الْفَقُّوْا
راستے میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ پھر وہ خرچ کرنے کے بعد نہ تو احسان جتاتے ہیں نہ جس کو دیا اس کو ستاتے ہیں (آخر آیت)

اس آیت سے واضح ہوا کہ کسی غریب و نادار کی امداد و اعانت کر کے اس کو جتنا نیک کام کر کے اپنی ناموری کے لئے اس کی تشہیر کرنا نامدوم ہے۔ مسلم شریف میں ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین قسم کے آدمیوں سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بات نہیں کرے گا۔ سائل وہ کہ جو دے کر احسان جتلائے۔ دوم جھوٹی قسم کھا کر اپنا مال نیچے والا۔ سوم دازراہ تکبر ہٹھنے سے نیچے ازار رکھنے والا۔

مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ ثَمَرَةٍ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ وَلَا يَقْبَلُ اللَّهُ إِلَّا الطَّيِّبَ فَإِنَّ اللَّهَ يَقْبَلُهَا بِمِائِينَ ثُمَّ يُرَبُّهَا لِصَاحِبِهَا كَمَا يُرَبِّي أَحَدُكُمْ فَلَوْعَةً حَتَّى تَكُونَ مِثْلَ الْجَبَلِ (بخاری)
حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص پاکیزہ کمائی میں سے کچھ کے برابر صدقہ کرتا ہے اور اللہ بجز پاکیزہ صدقہ کے اور کچھ قبول نہیں کرتا تو یقیناً اللہ اس کو اپنے واسطے ہاتھ میں لے لیتا ہے پھر صدقہ دینے والے کے فائدہ کے لئے اس کو پالتا رہتا ہے۔ جیسے تم میں سے کوئی اپنا پھڑا پالتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ صدقہ (کھجور) پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔ (بخاری)

اس حدیث میں پاکیزہ کمائی سے صدقہ کو گھوڑے کے سچ کے ساتھ تشبیہ دینے میں یہ بتانا مقصود ہے کہ جو خیرات پاکیزہ کمائی سے کی جائے وہ بحضور رب العالمین شرف قبولیت پاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی قدر فرماتا ہے اور خیرات کرنے والے کے خلوص کے مطابق ثواب میں اضافہ و راضا فرماتا رہتا ہے۔

امور خیر کی انجام دہی میں تاخیر نہ کی جائے | امور خیر کی انجام دہی میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے جس

نیک کام کے کرنے کا ارادہ کر لیا گیا ہے اس کو بہت جلد عملی جامہ پہنا دینا چاہئے۔ کیا خبر کل کیا صورت پیش آئے اور کیا خبر کہ ایسا زمانہ بھی آجائے کہ صدقہ و خیرات کا قبول کرنے والا کوئی نہ رہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔

تَصَدَّقُوا فَإِنَّ يَأْتِي عَلَيْكُمْ زَمَانٌ
يَمْشِي الرَّجُلُ بِصَدَقَتِهِ فَلَا يَجِدُ
مَنْ يَقْبَلُهَا يَقُولُ الرَّجُلُ مَوْجِئَتْ
بِهَا يَأْلَأْسُ لِقَبْلِتِهَا فَأَمَّا الْيَوْمُ
فَلَا حَاجَةَ لِي فِيهَا (بخاری)

صدقہ کرو کیونکہ تم پر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ
آدمی اپنا صدقہ لے کر چلے گا اور کوئی ایسا شخص نہ
ملے گا جو اس صدقہ کو قبول کرے جس کو دینے لگے گا وہ
کہے گا اگر یہ صدقہ کل لے آتا تو میں قبول کر لیتا،
لیکن آج کے دن مجھے اس کی ضرورت نہیں (بخاری)

حضرت عدی بن حاتم سے مروی ہے کہ حضورؐ کی خدمت میں دو شخص حاضر ہوئے۔
ایک نے تو اپنی غربت کا شکوہ کیا اور دوسرے نے راستے کی بدامنی کی شکایت کی۔ حضورؐ نے
جواب میں فرمایا۔ راستہ کی بدامنی تو تھوڑی مدت کے لئے ہے حتیٰ کہ مکہ مکرمہ تک
قافلہ جائے گا۔ اور کوئی ضمانت کے طور پر ساتھ نہ ہوگا۔ رہی غربت تو قیامت اس وقت
تک قائم نہیں ہوگی کہ تم میں سے کوئی اپنا صدقہ لئے پھرے گا۔ اور کوئی اس کو قبول کرنے
والا نہ ہوگا۔

پھر قیامت کے دن، تم میں سے کوئی اللہ کے سامنے کھڑا ہوگا۔ اس میں اور اللہ
کے درمیان میں کوئی پردہ نہ ہوگا اور نہ کوئی ترجمان ہوگا جو اس کی ترجمانی کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ
اس سے فرمائے گا کیا میں نے تجھ کو مال نہیں دیا تھا؟ وہ کہے گا ہاں لے اللہ دیا تھا۔ پھر
اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ میں نے رسول نہیں بھیجے تھے؟ وہ کہے گا ہاں یا اللہ بھیجے تھے۔ پھر
اپنی داہنی جانب دیکھے گا تو بجز آگ کے کچھ نہ دیکھے گا پھر بائیں جانب دیکھے گا تو بجز آگ

کے کچھ نہ دیکھے گا پھر بائیں جانب دیکھے گا تو سوائے آگ کے کچھ نظر نہ آئے گا۔

فَلْيَتَّقِينَ آحَدَكُمْ النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ
تَمْرَةٍ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فِيكَلِمَةً
طَيِّبَةً (بخاری)

تم میں سے ہر ایک کو دوزخ سے بچنا چاہیے
اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا دے کر ہی۔ اگر کھجور بھی
نہ ہو تو پاکیزہ بات ہی کہہ دے۔

وَيُرَى الرَّجُلُ الْوَاحِدُ يَتَّبِعُهُ
أَرْبَعُونَ امْرَأَةً يَلْذُونَهُ مِنْ
قِلَّةِ الرِّجَالِ وَكَثْرَةِ النِّسَاءِ (بخاری)

اور اس زمانہ میں ایک آدمی دیکھا جائے گا
جس کی پناہ میں چالیس عورتیں ہوں گی۔ مردوں
کی قلت اور عورتوں کی کثرت کی وجہ سے۔

۱۔ ان احادیث میں صدقہ و خیرات کی ترغیب دی گئی ہے کہ اس وقت کو غنیمت سمجھو
اور جتنی سہولت کے خیرات کرو ورنہ ایسا وقت بھی آنے والا ہے کہ کوئی صدقہ قبول کرنے والا نہ
ملے گا۔ اور ایسا ہونا قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کہ جب مال و دولت
کی فراوانی ہو جائے گی۔ جنہیں اللہ نے مال دیا ہے تو ان کو چاہیے کہ وہ ہر سال زکوٰۃ
باقاعدہ ادا کرتے رہیں اور جن کا ان پر حق ہے اس کو بھی پورا کریں۔ ورنہ یہی مال و
دولت قیامت کے دن وبالِ جان بن جائے گا۔ ولو بشقِ تمرَةٍ کا مطلب یہ
ہے کہ خلوص کے ساتھ کھجور کا نصف حصہ بھی اگر صدقہ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی
قبول فرما لیتا ہے اور اگر کوئی اس کی بھی طاقت نہیں رکھتا تو کلمہ طیب، اچھی
بات ہی کہہ دے۔ یعنی غریب و مسکین کو نرمی سے جواب دے دے کہ مہال! معاف
کر دو۔ میرے پاس تو اس وقت کچھ ہے نہیں تو محتاج کو نرمی سے جواب دینا جائز نہیں
ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا قَامَا الدَّشَائِلُ فَلَا تَقْهَرُوْا (يَا ذُنَّ) یعنی قیامت کی نشانیوں
میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ مردوں کی قلت اور عورتوں کی کثرت ہو جائے گی۔ حتیٰ
کہ ایک مرد کے انتظام میں چالیس عورتیں ہوں گی۔ مطلب یہ ہے کہ ایسا زمانہ آئے گا کہ چالیس
عورتوں کے نان نفقہ کا انتظام ایک مرد کو کرنا پڑے گا۔ اور عورتوں کی کثرت ہو جائے گی۔

نصف کھجور کا حصہ ہی صدقہ دو | اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اپنے صدقہ کو تھوڑا سمجھ کر ثواب صدقہ سے محروم نہیں رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ جیسے کثیر کو قبول فرماتا ہے اسی طرح قلیل کو بھی قبول فرماتا ہے۔ بشرطیکہ اخلاص ہو، ریا و نمونہ سے پاک ہو۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے صدقہ و خیرات کی ترغیب و تلقین پاکر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اپنی وسعت و بہت کے مطابق خیرات کرتے تھے۔ بعض صحابہ امیر تھے وہ بڑی بڑی رقمیں راہ خدا میں خرچ کرتے تاکہ صدقے کے ثواب سے محروم نہ رہ جائیں۔ لیکن جب حضرت عبدالرحمن بن عوف نے آٹھ ہزار درہم چالیس و قیہ سونا صدقہ کیا تو منافق ان کو ریا کار کہنے لگے۔ ابو عقیل انصاری اور ابو خثیمہ غریب دی تھے۔ دل میں شوق پیدا ہوا کہ ہم بھی صدقہ کریں تو کنوئیں سے پانی نکال کر بطور زرداری دو صاع کھجور یا جو لائے۔ ایک صاع تو اپنے اہل و عیال پر خرچ کیا اور ایک صاع راہ خدا میں دے دیا۔ منافقین نے ان کو از راہ مذاق کہا کہ یہ بھی انگلی کٹوا کر شہید بنیں نام لکھوانا چاہتے ہیں۔ ان کے ایک صاع کی اللہ کو کیا ضرورت ہے اس پر سورہ وہ کہ یہ آیت نازل ہوئی، جس میں فرمایا گیا۔

وَالَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ
مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ
الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ
وَالَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ
مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ
الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ
مُعْتَدِرِينَ -

بے شک اللہ تعالیٰ صدقہ و خیرات سے بے نیاز ہے اس کو کسی چیز کی احتیاج نہیں ہے مگر وہ تو دل کی نیت اور اس کے خلوص کو دیکھتا ہے۔ ایک صاع کھجور تو بہت ہے۔ اگر کوئی خلوص کے ساتھ ایک کھجور یا اس کا نصف حصہ بھی راہ خدا میں دے تو اللہ تعالیٰ

اس کو بھی قبول فرماتا ہے۔ حضور علیہ نے ارشاد فرمایا: اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ (بخاری)۔ جہنم کی آگ سے بچو اگرچہ کھجور کا نصف حصہ ہی صدقہ دے کر۔ اتَّقُوا النَّارَ کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے اگر اہل حق کا کسی پر کھجور کا ایک ٹکڑا بھی آتا ہے تو اس کو بھی ادا کر کے جہنم سے بچاؤ کی فکر کرو۔ کیونکہ اس قبیل سے حق کے باقی رہ جانے سے بھی جہنم واجب ہو سکتی ہے۔ (۲) اس حدیث سے معلوم ہو کہ اگر کسی کا ایک پیسہ بھی کسی پر آتا ہے تو اس کو معمولی سمجھ کر نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ اس کو ادا کرنا واجب ہے تاکہ آخرت میں باز پرس نہ ہو۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا ایک عورت آئی اس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں تھیں۔ وہ انک رہی تھیں۔ میرے پاس کچھ نہیں تھا ایک کھجور تھی وہ میں نے اس کو دے دی۔ اس نے اس کھجور کے دو حصے کر کے دونوں بیٹیوں کو دے دیئے اور خود نہ کھائی۔ پھر چلی گئی۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ فرما ہوئے میں نے اس واقعہ کی آپ کو اطلاع دی تو آپ نے فرمایا:۔

مَنْ ابْتَلَى مِنْ هَذِهِ الْبَنَاتِ
بَشَقٍّ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ
تم میں سے جو کوئی بیٹیوں کی وجہ سے
کسی آفت میں مبتلا ہو جائے تو وہ اس
کیلئے دوزخ سے بچاؤ کا سبب ہوں گی،
(بخاری)

صدقہ قلیل بھی اگر خلوص کے ساتھ کیا جائے تو وہ بھی بارگاہِ خداوندی میں قبول ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس اس وقت ایک کھجور تھی جو انہوں نے ایک بھکاری عورت کو دے دی تاکہ وہ مالوس نہ ٹوٹے اور حضور نے ان کے اس صدقہ پر اعتراض نہیں فرمایا۔ حدیث کے جملے مَنْ ابْتَلَى کا مطلب یہ ہے کہ لڑکیوں کا ہونا بظاہر طلال باعث ہوتا ہے کہ نہ جانے ان کے نصیب کیسے ہوں گے؟ لیکن اس تکلیف پر بھی یہ کرنا حوصلہ سے کام لینا اور لڑکیوں کو بھی لڑکوں کی طرح چاہنا اور ان کے ساتھ احسان کرنا۔

وران کی صحیح تعلیم و تربیت کا انتظام کرنا موجب اجر و ثواب ہے۔

تندرستی کی حالت میں اور ایسے وقت میں
صدقہ افضل ہے۔ جب کہ مال کمانے کی خواہش

موت سے پہلے صدقہ دو

ہوتی ہے۔ کیونکہ حصول مال کی حرص اور خواہش یہ تقاضا کرتی ہے کہ بہر حال مال کو روکا اور جمع
کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ہم نے تمہیں جو رزق
دیا ہے اس میں سے خرچ کرو۔ موت کے
آنے سے پہلے (اور سورۃ بقرہ میں فرمایا) اے
ایمان والو، ہم نے تمہیں جو دیا اس میں سے
خرچ کرو،

وَالْفُقُوَامَا رَزَقْنٰكُمْ مِنْ قَبْلِ اَنْ
يَّآتِيَ اَحَدَكُمْ الْمَوْتُ۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ
مُنُوْا الْفُقُوَامِنْ قَبْلِ اَنْ يَّآتِيَ يَوْمُ
لَا بَيْعٍ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٍ (قرآن مجید)

اس دن سے پہلے جس میں نہ خرید و فروخت ہے اور نہ کافروں کیلئے دوستی اور شفاعت۔

ان دونوں آیتوں کا حاصل یہ ہے کہ صدقہ و خیرات میں جلدی کرنا چاہیے ایسا نہ ہو
کہ موت آجائے اور آدمی کف افسوس ملے اور کہے کہ کاش میں اگر اور زندہ رہتا تو ضرور
صدقہ کرتا۔

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے ایک شخص حضور
نبوی حاضر ہوئے عرض کی یا رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کون سا صدقہ افضل ہے آپ نے
فرمایا جب تو تندرستی میں مال کی خواہش ہوتے
محتاجی سے ڈر کر مال داری کی طرح طمع رکھ کر صدقہ
کرے اور اتنی دیر مت کر کہ جان حلقوم تک
آپہنچے، اس وقت تو کہے کہ فلاں کو اتنا دینا

عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى
النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا
رَسُولَ اللّٰهِ اَيُّ الصَّدَقَةِ اَعْظَمُ اَجْرًا
قَالَ اَنْ تُصَدِّقَ وَاَنْتَ صَيِّحٌ شَعِيحٌ
تَخْشَى الْفَقْرَ وَتَأْمَلُ الْغِنَى وَلَا تَمْلِكُ
حَتّٰى اِذَا بَلَغْتَ الْحُلُقُومَ قُلْتَ لِفُلَانٍ
كَذَا وَكَذَا وَقَدْ كَانَ لِفُلَانٍ نَجَارٌ

اور فلاں کو اتنا اور اب تو فلاں نے کا مال ہو ہی چکا۔ (بخاری)

مطلب حدیث یہ ہے کہ خلوص نیت سے صدقہ کرنا تو بہر حال باعث اجر و ثواب ہے مگر ایسے وقت میں جب کہ آدمی صحیح و تندرست ہوتا ہے اور حصول دولت کی کوشش کرتا ہے اور مال جمع کرنے کی حرص اپنے شباب پر ہوتی ہے اور مال و دولت کی اس کو بھی ضرورت بھی ہوتی ہے۔ صدقہ کرنا اور بھی زیادہ ثواب کا موجب ہوتا ہے۔ کیونکہ مال کی حرص صدقہ دینے سے رکتی ہے۔ سرمایہ پرست افراد عمر بھر تو بخل سے کام لیتے ہیں اور جب موت کے آثار نمودار ہوتے ہیں تو پھر کہتے ہیں کہ اتنا فلاں فلاں کو دے دینا۔ حضور فرماتے ہیں۔ مومن کی یہ کیفیت نہیں ہونی چاہیے۔ زندگی میں اپنے ہاتھ سے دے جانا ہی اچھا ہے۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب

کوئی عورت اپنے گھر کے کھانے میں سے

خرچ کرے، بشرطیکہ اس کی نیت برباد کرنے

کی نہ ہو تو اس کو اس کے صدقہ کرنے کا ثواب

ملے گا اور اس کے خاوند کو کمائی کی وجہ سے

اجر ملے گا اور کوئی دوسرے کے ثواب کو کم نہیں

کرے گا۔ (بخاری)

شوہر کی اجازت کے بغیر خیرات

مِنْ طَعَامٍ بَيْتِهَا غَيْرُ مُفْسِدَةٍ وَكَانَ
لَهَا أَجْرُهَا بِمَا أَنْفَقَتْ وَلِزَوْجِهَا
أَجْرُهُ بِمَا كَسَبَ وَلِلْمُتَّازِنِ مِثْلُ ذَلِكَ
لَا يَنْقُصُ بَعْضُهُمْ أَجْرَ بَعْضٍ شَيْئًا

(بخاری)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ اگر شوہر کے مال میں سے بیوی صدقہ دیدے تو اس کو

ثواب ملے گا۔ لا ینقص..... الخ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دونوں کا ثواب برابر ہوگا۔ بلکہ

مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کو اس کے عمل اور نیت کے مطابق ملے گا۔ بیوی شوہر کے مال میں سے

اس کی بلا اجازت کسی ایسی چیز کو راہِ خدا میں دے دے جس کی اجازت شوہر کی طرف سے از رو

عرف ہوا کرتی ہے تو جائز ہے مثلاً کوئی فقیر آیا تو کھانا وغیرہ یا آنہ دوانے دیدیئے۔

غیر مفسدہ کا مطلب یہ ہے کہ بیوی کی نیت شوہر کے مال کو ضائع کرنا اور بے دردی

سے خرچ کرنا نہ ہو، یعنی دستور عادت سے زیادہ خرچ کر کے شوہر کا نقصان نہ کرے۔ اتنی خیرات نہ کرے جو خاوند پر بار ہو۔ اس سے واضح ہوا کہ بیوی کو عام طور پر عادتاً جس قدر کی اجازت ہوتی ہے۔ اس سے زائد کی خیرات بلا اجازت شوہر جائز نہیں ہے۔ الا یہ کہ شوہر نے کئی طور پر اجازت دے دی ہو کہ جس طرح مناسب خیال کرو، خرچ کر سکتی ہو۔

صدقہ و خیرات کی حد | صدقہ و خیرات کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ اس طرح صدقہ و خیرات نہ کیا جائے کہ خود محتاج ہو جائے اور

اہل و عیال بھیک مانگنے پر مجبور ہو جائے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا :-

خَيْرُ الصَّدَقَةِ مَا كَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًى (احمد) وَمَنْ تَصَدَّقَ وَهُوَ مُحْتَاجٌ أَذَاهُ لَهُ مُحْتَاجٌ أَوْ عَلَيْهِ وَبَيْنَ مَا لَدَيْنَ أَحَقُّ أَنْ يُقْضَىٰ مِنَ الصَّدَقَةِ وَالْعَتَقِ وَالْهَبَةِ وَهُوَ رَدُّ عَلَيْهِ لَيْسَ لَهُ أَنْ يَتْلِفَ أَمْوَالَ النَّاسِ (بخاری)

بہتر صدقہ وہ ہے جس کے بعد آدمی مالدار ہے اور جو شخص ضرورت مند ہو کہ صدقہ کرے یا اس کے بال بچے اس صدقہ کے ضرورت مند ہوں یا وہ مقروض ہو تو ایسا صدقہ درست نہیں بلکہ قرض ادا کرنا صدقہ اور آزادی اور بخشش پر مقدم ہوگا اور اسکا صدقہ اس کو واپس کر دیا جائے گا اور اس کے لئے

یہ جائز نہیں کہ وہ صدقہ کر کے لوگوں کے مالوں کو برباد کرے۔

شرائط خیرات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ خود محتاج نہ ہو نہ اس کے اہل و عیال محتاج ہوں اور اس پر قرض بھی نہ ہو۔ تو اگر اس پر قرض ہے تو واجب ہے کہ پہلے قرض ادا کرے۔ کیونکہ قرض کی ادائیگی واجب ہے اور واجب کی ادائیگی نقل پر مقدم ہے۔ حدیث کے الفاظ فہور علیہ میں اسی کا بیان ہے۔

لہذا نقلی صدقہ دینے والوں کو چاہئے کہ پہلے وہ اپنا قرض ادا کریں اس کے بعد اہل و

عیال پر خرچ کریں پھر بھی اگر بچ سبے تو صدقہ کر سکتے ہیں۔

مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يَرْيَدُ اقْتِلًا

جو شخص لوگوں کے مال برباد کرنے کی نیت

سے لے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کو برباد کرے گا

ہاں جو شخص صبر اور تکلیف برداشت کرنے میں

بالصبر فیو شری علی نفسہ ولو کان

مشہور ہو اور وہ اپنی حاجت پر کسی حاجتمند

یہ خصاصۃً کفیل ای بکر حین

کی حاجت کو ترجیح دیتا ہے تو جائز ہے جیسے

تصدق بمالہ و کذا لک انصار

سیدنا ابو بکر صدیق نے اپنا سارا مال صدقہ

المہاجرین تصدق بمالہ (بخاری)

کرو یا تھا۔ اور اسی طرح انصار نے مہاجرین کی حاجت کو اپنی حاجت پر مقدم کیا تھا۔ (بخاری)

مطلب یہ کہ عام حکم تو یہ ہی ہے کہ اس طرح صدقہ و خیرات نہ کرے کہ خود محتاج ہو جائے

اور اہل و عیال بھوکے مرتے لگیں اور بھیک مانگنے پر مجبور ہو جائیں۔ تاہم اگر کوئی شخص ایسے ضبط

صبر کا مالک ہو کہ اپنی حاجت پر دوسروں کی حاجت کو ترجیح دے اور مفلس ہو جانے کے باوجود

صبر و شکر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دے تو اس کو کل مال راہِ خدا میں دے دینا جائز

ہے۔ جیسا کہ سیدنا صدیق اکبر نے کل مال راہِ خدا میں دے دیا تھا۔

ترمذی و ابوداؤد و حاکم کی حدیث کا مضمون ہے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام

نے میں صدقہ کا حکم دیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ آج میں ابوبکر سے بڑھ کر صدقہ دوں گا چنانچہ

میں نے اپنا آدھا مال بحضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پیش کر دیا اور ابوبکر بھی اپنا مال لے کر حاضر ہوئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اے عمر تم اپنے بال بچوں کے لئے کیا چھوڑ کر گئے۔ میں نے

عرض کی نصف مال حضرت ابوبکر سے بھی یہی سوال ہوا تو انہوں نے عرض کی جو کچھ تھا حاضر کر

دیا ہے اور بال بچوں کے لئے۔۔۔

أَبْقَيْتُ لِسُلْمِ اللَّهِ رَسُولَهُ

اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔۔۔

پروانہ کو چراغِ عناد کو بھول بس صدقہ کے لئے ہے خدا کا رسول بس

اور یہی کیفیت انصار کی تھی۔ انہوں نے اپنے مال و جان واد میں مہاجرین کو شریک کر لیا

تھا۔ حتیٰ کہ ایک نصاریٰ نے ایک مہاجر سے یہ کہا میرے نکاح میں دو عورتیں ہیں جو نسی کو تم کہو میں طلاق دے دوں تم اس سے نکاح کر لو۔ مہاجر نے جواب دیا نہیں اللہ تم کو مبارک کرے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابو طلحہ انصاری نے بھی اپنی تمام دولت راہِ خدا میں دے دی تھی

جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ **وَلْيُثَرِّفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ** اس سے واضح ہوا کہ اپنی ذات پر اگر اتنا بھروسہ ہو کہ محتاج ہو جانے کے باوجود صبر و شکر اور ضبط سے کام لے گا۔ تو ایسے اشخاص کے لئے کل مال کو راہِ خدا میں دے دینا جائز ہے۔

حضرت کعب بن مالک نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! **کل مال راہِ خدا میں دینا مناسب نہیں** (جنگ تبوک سے پیچھے رہنے کی) تو یہ میں اس

طرح کرتا ہوں کہ اپنا مال اللہ اور رسول پر قربان کرتا ہوں۔ حضور نے فرمایا کچھ تھوڑا بہت مال رہنے دے وہ تیرے حق میں بہت بہتر ہے۔ میں نے عرض کی تو میں اپنا خیر والا حصہ (اپنے لئے) رہنے دیتا ہوں۔ (بخاری)

اس حدیث سے بھی واضح ہوا کہ اپنے کل مال کو راہِ خدا میں خرچ کرے مگر اس طرح کہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی گزر بسر بھی ہوتی رہے۔

قَالَ الْإِنْدُ الْغَنَىٰ خَيْرٌ مِنَ الْبَدِ السُّفْلَىٰ
وَأَبَدًا أَيْمَنُ تَعْوَلُ وَخَيْرُ الصَّدَقَةِ
مَا كَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنَىٍّ وَمَنْ يَسْتَعْفِفْ
يَعْفِهِ اللَّهُ وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللَّهُ
بچا چاہے گا۔ اللہ اسے بچائے گا اور جو شخص بے پڑا ہی چاہے گا اللہ اس کو بے پرواہ کر دے گا۔

ان احادیث سے واضح ہوا کہ بہترین طریق کار یہ ہے کہ آدمی اس طرح خرچ کرے کہ خود اور اس کے اہل و عیال محتاج نہ ہو جائیں (۲) جن لوگوں کا نان و نفقہ واجب ہے (بیوی بچے وغیرہ)

پہلے ان کے اخراجات پورے کرنے چاہئیں۔ عام طور پر لوگ یار دوستوں پر تو خوب خرچ کرتے ہیں اور بیوی بچوں کی پرواہ نہیں کرتے یہ بہت ہی غلط طریقہ ہے (۳)، ید علیا سے مراد دینے والا ہاتھ ہے اور لینے والا ہاتھ ید سفلی ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ سوال کرنا کوئی مستغنیہ کی بات نہیں ہے۔ ویسے بھی جو شخص کما کھا سکتا ہے اس کو سوال جائز نہیں (۴) من یستعفف کے معنی حرام سے بچنے اور سوال کرنے سے بچنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے جو صبر و ضبط سے کام لے گا اور سوال کرنے کی بجائے خود کمانے کی کوشش کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی کوشش و سعی میں برکت عطا فرمائے گا اور غیر کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی نوبت نہ آئے گی۔

صدقہ و خیرات پہلے اپنے عزیز و اقربا کو دینا چاہیے

حدیث زیر بحث
میں ابدأً بمن

تعلول کے الفاظ بھی ہیں۔ ان کا حاصل یہ ہے کہ آدمی کو پہلے اپنے اہل و عیال کے اخراجات و ضروریات کو پورا کرنا چاہیے۔ اس کے بعد دوسروں کو دینا چاہیے۔ کیونکہ بیوی بچوں کا نفقہ واجب ہے اور صدقہ و خیرات نفل ہے۔

نسائی کی حدیث کا مضمون ہے ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ میرے پاس ایک دینار ہے کہاں خرچ کروں؟ فرمایا اپنے اوپر خرچ کر اس نے عرض کی ایک اور ہے فرمایا اپنی بیوی پر خرچ کر، عرض کی ایک اور ہے فرمایا اپنی اولاد پر خرچ کر، عرض کی ایک اور ہے فرمایا اپنے غلام لونڈی اور نوکر چاکر پر خرچ کر۔ عرض کی ایک اور ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بہ نسبت دوسروں کے تجھ سے زیادہ تعلق دار اور متقی ہو اسے دے دے، (یعنی) ایک اور حدیث میں فرمایا اے امت محمد مجھے اس کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا اللہ تعالیٰ اس شخص کے صدقہ کو قبول نہیں فرماتا۔ جس کے رشتہ دار اس کے سلوک کرنے کے محتاج ہوں اور یہ غنیوں کو دے۔ قسم ہے اس کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر نہ فرمائے گا۔ ان حدیثوں سے

آتا ہے غریبوں پہ انہیں پیار کچھ ایسا خود بھیک دیں اور خود کہیں شگتا کا بھلا ہو
 حدیث زیر بحث میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس زبان کا بیان ہے اور اس سے امت
 کو یہ ہدایت ملتی ہے کہ صدقہ و خیرات میں جلدی کرنا افضل و بہتر ہے۔ راہِ خدا میں جو دنیا ہو
 جلدی دے دو۔ مال مٹول سے کام نہ لو۔ کیا معلوم کیا دل کی کیا کیفیت ہو اور شیطان و سوسہ ڈال
 کر نیکی سے روک ہی دے۔

نیک کام کے لئے چنہ کرنا سنت ہے | حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ
 عید کی نماز کے لئے حضور علیہ السلام شہر

سے باہر تشریف لاتے وہاں نماز عید دو رکعتیں ادا کیں اور آپ نے نفل نہیں پڑھے۔ پھر
 ثُمَّ مَالَ عَلَى النِّسَاءِ وَبَلَالَ مَعَهُ اُپ عورتوں کی طرف متوجہ ہوئے بلال آپ
 فَوَعظَهُنَّ وَاَمَرَهُنَّ اَنْ يَّتَصَدَّ کے ساتھ تھے۔ آپ نے ان کو نصیحت کی اور
 قُنَّ فَجَعَلَتِ الْمَرْأَةُ تُلْقِي صدقہ کرنے کا حکم دیا تو کوئی عورت اپنا
 الْقَلْبَ وَالْخُرْصَى (بخاری) گلن دینے لگی اور کوئی بالی۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ نیک کام کے صدقہ و خیرات کی تلقین کرنا لوگوں کو ترغیب
 دلانا اور غریب کی امداد و اعانت کے لئے لوگوں سے کہنا بہت رسول ہے۔

(۲) ابو بردہ بن ابی موسیٰ اپنے والد سے راوی ہیں۔ جب بحضور نبوی کوئی سائل آتا یا آپ
 سے کسی حاجت کے لئے عرض کیا جاتا تو آپ فرماتے۔

قَالَ اَشْفَعُوا لَوْ جَرُوا وَيَقْضِي لَوْ كُو! تم بھی سفارش کرو، تم کو بھی ثواب ملے گا اور
 اللَّهُ لِسَانَ نَبِيِّهِ مَا شَاءَ (بخاری) اللہ اپنے نبی کی زبان سے جو چاہے گا حکم دے گا
 اس حدیث سے واضح ہوا غریبوں اور محتاجوں کی امداد و اعانت کے لئے سفارش

کرنا اور اپنے دوست و احباب کو کسی غریب کی امداد پر آمادہ کرنا کارِ ثواب ہے اور یہ کہ
 اگر کوئی خود کسی کی امداد نہیں کر سکتا تو کسی اور سے کرا دے۔ اس کو بھی ثواب مل جائے گا۔

داصح ہوا کہ زکوٰۃ و خیرات وغیرہ میں افضل یہ ہے کہ اولاً اپنے عزیز و اقارب کو دی جائے۔ صدقاتِ نافلہ کی رقم وغیرہ تو اپنے ہر عزیز اور رشتہ دار کو دے سکتے ہیں۔ ماں، باپ، بھائی بہن اصول و فروع غرض کہ سب کو دے سکتے ہیں۔ البتہ صدقاتِ واجبہ زکوٰۃ، فطرانہ اپنے اصول و فروع، ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی وغیرہ جن کی اولاد میں یہ خود ہے اور اپنی اولاد، بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی وغیرہم کو نہیں دے سکتے۔ صدقہ نفل دے سکتے ہیں۔ بلکہ انہیں دنیا بہتر و افضل ہے۔ نیز زکوٰۃ، فطرانہ، صدقاتِ واجبہ کی رقوم حسبِ ذیل رشتہ داروں کو دی جاسکتی ہے۔ جب کہ وہ محتاج ہوں، صاحبِ نصاب نہ ہوں۔ بلکہ ان رشتہ داروں کو دنیا افضل و بہتر ہے۔ وہ رشتہ دار یہ ہیں۔ بھائی، بہن، ان کی اولاد، چچا، پھوپھی، ان کی اولاد، ماموں، خالہ ان کی اولاد، ماموں، خالہ ان کی اولاد وغیرہ

حضرت عقبہ بن حارث نے بیان کیا کہ نبی ﷺ خیرات صدقات میں جلدی کی جائے

پھر جلدی سے باہر تشریف لے گئے اور تھوڑی ہی دیر میں باہر سے تشریف لائے میں نے یا اور کسی نے اس کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا۔ صدقہ کے مال میں سے ایک سونے کی ڈلی گھر چھوڑ آیا

فَقَالَ كُنْتُ خَلَفْتُ فِي الْبَيْتِ
تَبْرًا مِّنَ الصَّدَقَةِ فَكَرِهْتُ
أَنْ أُبَيِّتَهُ، فَقَسَمْتُهِ (بخاری)

تھا۔ مجھے برا معلوم ہوا کہ وہ رات کو میرے پاس رہے۔ میں نے اس کو تقسیم کر دیا۔

غزایہ پر مدی، بے کس نوازی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عظمِ اخلاق سے محنت، فیاضی اور سخاوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت ثانیہ تھی۔ حضرت عبداللہ بن ابی کہتے ہیں کہ بیوہ اور مسکین کے ساتھ چل کر ان کا کام کر دینے میں حضور کو عار نہ تھا۔ ایک دفعہ حضور نماز کے لئے تیار ہوئے۔ ایک بدو آیا دامنِ اقدس تھا کہ عرض کی۔ میرا ذرا سا کام رہ گیا ہے ایسا نہ ہو کہ بھول جاؤں پہلے اسے کر دیجئے۔ حضور اس بدو کے ساتھ تشریف لے گئے۔ اس کا کام کسر انجام فرما کر پھر نماز ادا فرمائی۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا جب کوئی شخص کسی مسلمان بھائی کی مدد میں مصروف ہوتا ہے۔
تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد میں ہوتا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ کسی جائز کام کے
لئے سفارش کرنا جائز ہے۔

(۳) حضرت اسما فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا :- خیرات سے ہاتھ
نہ روک ورنہ تیرا

لَا تُؤْكِرْ فِیْؤُكْرِ عَلَیْكَ وَقَالَ لَا
تُحْصِیْ فِیْ حُصْیِ اللّٰهِ عَلَیْكَ (بخاری)

مطلب حدیث یہ ہے صدقہ و خیرات کھلے دل کے ساتھ دینا چاہیے۔ خدا کی راہ
میں دی گئی رقم کو گنتے رہنا کہ اتنی رقم سے چکا ہوں؟ پھر اس گنتی کو بوجہ بنا کر صدقہ و خیرات سے
رک جانا ٹھیک نہیں ہے۔ خدا توفیق دے تو اللہ کی راہ میں بلا حساب دیجئے۔ اللہ تعالیٰ
بھی بے حساب ہی عطا فرمائے گا۔

کافر کو نیکی کا دنیا ہی میں اجر مل جاتا ہے

حضرت حکیم بن حزام سے مروی ہے کہ
میں نے بحضور نبوی عرض کی۔ یا رسول اللہ

کفر کے زمانہ میں جو میں نے نیکیاں کی ہیں۔ جیسے صدقہ و خیرات، غلام آزاد کرنا اور صلہ رحمی تو
کیا ان کا بھی اجر ملے گا۔ حضور نے جواب دیا۔

أَسْلَمْتَ عَلَى مَا سَلَفَ مِنْ
خَيْرٍ (بخاری)

اسلام لایا تو لبیب ان نیک اعمال
کے جو تو نے پہلے کئے۔

واضح ہو کہ کافر کا کوئی کام آخرت میں کام نہیں آتا۔ خواہ وہ کتنی ہی نیکیاں کرے۔ آخرت
میں اس کا ثواب نہیں ملتا۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ کافر کے نیک اعمال کی جزا دنیا میں دے دی جاسے۔
مثلاً اس کا رزق بڑھا دیا جائے یا دنیا کی عزت اسے حاصل ہو جائے۔ حدیث زیر بحث کا
مطلب یہ ہے کہ تو نے جو اسلام قبول کیا ہے تو یہ برکت ہے تیرے ان نیک اعمال کی جو تو نے

حالتِ شرک و کفر میں کئے تھے۔ چنانچہ حضرت انس سے مرفوعاً مروی ہے۔

إِنَّ الْكَافِرَ ثَيَابٌ فِي الدُّنْيَا بِالرِّزْقِ كَافِرٌ كَوَاسُ كُنُيُوسٍ كَارِزِقٍ كِي زِيَادَتِي كَسَاخَةٍ
عَلَى مَا يَفْعَلُهُ مِنْ حَسَنَةٍ (مسلم) دنیسا میں ثواب دیا جاتا ہے (فتح الباری ج ۲ ص ۲۳۵)

اور وہ جس نے دیا اور پرہیزگاری کی اور سب سے
اچھی کو سچ مانا تو بہت جلد ہم اسے آسانی مہیا کریں

فَمَا مَنُ اعطى وَاَتَقَى وَصَدَّقَ كَے اور وہ جس نے بخل کیا اور

بِالْحُسْنَى فَسَيُسْرَىٰ ۖ وَلَيسُ رِيًّا مَّا اور بے پڑا ہ بنا اور سب سے اچھی کو بھٹلایا تو بہت

مَنْ بِبَخْلٍ وَاسْتَعْنَى (قرآن مجید) جلد ہم اسے دشواری کو مہیا کریں گے۔

یہ آیتیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امیہ بن خلف کے حق میں نازل ہوئیں جن میں
ایک صدیق اکبر اتقی ہیں اور دوسرا امیہ بن خلف اشدقی۔ یہ حضرت بلال کو جو کہ اس کی ملک میں تھے۔
دین اسلام سے مخوف کرنے کے لئے طرح طرح کی تکلیفیں دیتا تھا۔ اور انتہائی ظلم اور سختیاں کرتا
تھا۔ ایک روز حضرت ابوبکرؓ نے دیکھا کہ امیہؓ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گرم زمیں پر
ڈال کر پتے ہوئے پتھران کے سینے پر رکھے ہیں اور اس حال میں بھی کلمہ ایمان ان کی زبان
پر جاری ہے۔ آپ نے امیہ سے فرمایا۔ اے بد نصیب ایک خدا پرست پر یہ سختیاں؟ اس نے
کہا۔ آپ کو اگر اس کی تکلیف ناگوار ہو تو خرید لیجئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
نے گراں قیمت پر بلال کو خرید کر آزاد کر دیا۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ اس میں بتایا گیا
کہ تمہاری کوششیں مختلف ہیں یعنی حضرت صدیق اکبر رضائے الہی کے طالب ہیں اور امیہ
حق کی دشمنی میں اندھا۔

حضرت ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب بھی لوگ
صبح کرتے ہیں تو دو فرشتے اترتے ہیں اور یہ دعا کرتے ہیں۔

اللَّهُمَّ اعْطِ مُنْفِقًا خَلْفًا وَمَوْضًا | الہی راہ خدا میں خرچ کرنے والے کو اس کا عوض عطا فرما۔

نقل صدقات رشتہ داروں کو دیجئے | حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اہل قرابت کو دینے سے دوسرا ثواب ہوتا ہے ایک

صدقہ کا دوسرا صلہ رحمی کا۔

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُ أَجْرَانِ الْقَرَابَةُ وَالصَّدَقَةُ (بخاری)
حضرت انس سے مروی ہے کہ حضرت ابو طلحہ مدینہ میں تمام انصار سے زیادہ مالدار تھے۔ ان کے باغات تھے۔ اور ان سب میں ان کو بیس حاکا باغ بہت پیار تھا جو کہ مسجد کے سامنے تھا۔ حضور علیہ السلام بھی اس باغ میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اس کا پاکیزہ پانی نوش فرماتے۔ جب آیت لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ... الخ نازل ہوئی تو ابو طلحہ کھڑے ہوئے، عرض کی یا رسول اللہ! اللہ جل شانہ فرماتا ہے کہ تم ہرگز بھلائی کو نہیں پہنچیں گے۔ جب تک راہِ خدا میں اپنی پیاری چیز نہ خرچ کرو اور مجھے اپنے سب مالوں میں بیس حاکا زیادہ پیارا ہے اور اس کو میں اللہ کی راہ میں خیرات کرتا ہوں۔ اللہ سے امید ہے کہ وہ مجھ کو اس کا ثواب عطا فرمائے گا اور میرے لئے آخرت میں ذخیرہ ہوگا۔ یا رسول اللہ آپ جس کام میں مناسب سمجھیں اس کی آمدنی خرچ کیجئے۔ حضور نے فرمایا۔ یہ تو بڑے فائدے کا مال ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ تم اس کو اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دو۔

فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ اَنْعَلْ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَسَمَهَا أَبُو طَلْحَةَ فِيْ اَقَارِبِهِ وَبَنِي عَمِّهِ (بخاری)

حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام عیدِ اضحیٰ یا عید الفطر کے دن عید گاہ تشریف لے گئے۔ نماز کے بعد آپ نے وعظ کیا اور عورتوں کو صدقہ کرنے کی ترغیب دی۔ حضرت ابن مسعود کی زوجہ زینب بحضور نبوی حاضر ہوئیں اور عرض کی میرا کچھ زور ہے اس کو خیرات کرنا چاہتی ہوں لیکن میرے خاوند ابن مسعود کہتے ہیں کہ وہ اور

اس کا بیٹا اس خیرات کا زیادہ مقدار ہے۔ ان سب لوگوں سے جن پر تو خیرات کرنا چاہتی ہے

وَسَلَّمَ صَدَقَ ابْنُ مَسْعُودٍ | حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ ابن مسعود ٹھیک کہتے ہیں
زَوْجُكَ وَوَلَدُكَ أَحَقُّ مِنْ | تیرا خاوند اور تیرا بیٹا سب لوگوں سے جن پر تو
تَصَدَّقْتَ بِهِ عَلَيْهِمْ (بخاری) | خیرات کر چکی ہے زیادہ حق دار ہیں (بخاری)

یہ سب حدیثیں صدقہ نافلہ سے متعلق ہیں۔ کیونکہ اخات کے نزدیک بیوی کو اور اصولاً
فروع کو صدقات واجبہ (زکوٰۃ و فطرانہ) نہیں دے سکتے۔ نیز حضرت زینب کا بحضور نبویؐ
عرض کرنا۔ کان عندی حلّی کے الفاظ سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ ان کا یہ صدقہ
نفل تھا۔ بہر حال اس حدیث سے واضح ہوا کہ رشتہ داروں پر خیرات کرنا خصوصاً جب کہ
وہ نادار و غریب ہوں حتیٰ کہ اپنے خاوند اور بیٹے کو دنیا بہ نسبت دوسروں کے دینے
سے افضل ہے۔

یتیموں اور مسکینوں کو صدقہ و خیرات دینا افضل
ہے۔ کیونکہ یہ امداد کے مستحق ہوتے ہیں زکوٰۃ

بیوہ کو زکوٰۃ دینے میں احتیاط کیجئے

کی رقم اگر یتیم کو دی جائے تو یہ دیکھنا ضروری ہے کہ وہ خود مالکِ نصاب نہ ہو۔ بہت
یتیم اور بیوہ عورتیں ایسی ہوتی ہیں جو تمام کو تو یتیم و بیوہ ہیں لیکن وہ خود مالکِ نصاب
ہوتے ہیں انہیں زکوٰۃ و صدقات جائز نہیں۔

حضور سرورِ عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان کی
روحِ ایمان کتاب و سنت کی روشنی میں بیان۔ ایک ایمان افروز باطل ہونے

تالیف جس کے مطالعہ سے ایمان تازہ ہوتا ہے۔ علامہ رضوی کی
متبرک تالیف کتاب و طباعت آفٹ کاغذ عمدہ سفید قیمت مجلد ۱۰۰ / ۱۲ روپے
"مکتبہ رضوان" گنج بخش روٹ سے طلب کیجئے۔

مسائل عید الفطر

عید کی سنتیں | غسل کرنا، مسواک کرنا، خوشبو لگانا، عمدہ لباس پہننا، عید گاہ کو پیادہ پا جانا۔ ایک راہ سے جانا اور دوسری راہ سے واپس ہونا۔ عید الفطر میں عید گاہ جانے سے قبل کوئی شیریں چیز کھجور وغیرہ کھانا اسی بنا پر ہمارے ملک میں سویاں مروج ہیں کہ کھانا شیریں ہو اور سنت بھی ادا ہو جائے اور عید الفطر میں قبل نماز کچھ نہ کھانا۔

مباحات اور مستحبات | صدقہ کی کثرت کرنا، باہم ملنا، مبارک باد دینا۔ خوشی کا اظہار کرنا، مصافحہ اور معاف کرنا۔

عید کی نماز کا وقت | عید کی نماز کا وقت آفتاب کے بقدر نیزہ بلند ہونے سے زوال تک ہے اگر نماز پڑھنے میں زوال کا وقت آگیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

نماز عیدین | عید کی دو رکعت نماز ہر عاقل و بالغ مقیم تندرست پر مشرک میں واجب ہے۔ گاؤں میں عید اور جمعہ کی نمازیں جائز نہیں۔ مگر وہ بڑے گاؤں یعنی قصبے جو شرفاً شہر کا حکم رکھتے ہیں۔ ان میں جمعہ اور عید دونوں کی نمازیں جائز ہیں۔ جمعہ اور عید دونوں کی نمازوں کی صحت اور ادا کی شرطیں ایک ہیں۔ مگر فرق یہ ہے کہ جمعہ میں خطبہ فرض ہے اور عیدین میں سنت۔ دوم جمعہ میں خطبہ نماز سے قبل ہے اور یہاں نماز کے بعد اگر کسی نے عید کی نماز کے بعد خطبہ نہ پڑھا، یا نماز سے قبل پڑھا۔ دونوں صورتوں میں نماز ہو گئی۔ مگر یہ شخص گناہگار ہوا۔

ترکیب نماز عید الفطر | پہلے یوں نیت کی میں نے دو رکعت نماز عید الفطر واجب کی چھ زائد تکبیروں کے ساتھ اس امام کے پیچھے کعبہ شریف

کی طرف منہ کر کے پھر کانوں تک ہاتھ لے جا کر تکبیر پڑھ کر ہاتھ باندھ لے اور ثنا پڑھے
 پھر دو مرتبہ کانوں تک ہاتھ لے جا کر تکبیر پڑھ کر ہاتھ باندھ لے۔ تیسری مرتبہ کانوں تک
 ہاتھ لے جا کر تکبیر پڑھ کر ہاتھ باندھ لے اور چوتھی مرتبہ کانوں تک ہاتھ لے جا کر تکبیر پڑھ کر
 قرأت قبل رکوع تین مرتبہ کانوں تک ہاتھ لے جا کر تکبیر پڑھ کر ہاتھ باندھ لے۔ چوتھی مرتبہ کانوں
 تک ہاتھ لے جا کر تکبیر پڑھ کر ہاتھ باندھ لے اور پھر نماز پوری کرے۔ نماز کے بعد
 امام خطبہ پڑھے۔ تمام مقتدا ہی نہیں اور خطبہ میں مذکور ہوئے خطبہ کی ہدایت پر چلے۔ جو تہذیب
 بعد خطبہ دعا پڑھیں۔ سلام پڑھیں۔ پھر وضو کر لیں۔ پھر لا الہ الا اللہ۔ لا نبی الا محمد۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ
 صدقہ فطر | ان صاحب نصاب پر انبیاء و ائمہ کی طرف سے دینا چاہیے کہ ان
 گندم واجب ہے، گندم کی قیمت بھی دے سکتے ہیں۔ اس کا قیمت بھی دے سکتے ہیں۔
 جو زکوٰۃ کا ہے (۱۲) بالغ اور عیون مالک نصاب پر صدقہ فطر واجب ہے، ان کا ہر پست ان
 کے مال سے ادا کرے (۱۳) صدقہ فطر ادا کرنے سے بعد میں جو خصلتیں اس کی طاعت پر ماحول
 (۱۴) عورت مالک نصاب ہو تو اس پر بھی صدقہ فطر واجب ہے (۱۵) صدقہ فطر عید کی طاعت کے بعد
 واجب ہوتا ہے جو اس سے پہلے ہو گیا اس سے بعد واجب نہیں اور جو اس سے پہلے ہو گیا
 اس کا صدقہ واجب ہے (۱۶) روز عید سے پہلے بھی صدقہ فطر کا دینا جائز ہے بلکہ بعد عید بھی دینا جائز ہے
 جس سے فقہاء سابقین و کتاتیب و ائمہ فخریہ و ائمہ حنفیہ و ائمہ شافعیہ و ائمہ مالکیہ و ائمہ حنبلیہ
 عید گاہ یا عید سے پہلے یا عید کی پہلی صلیب یا عید کے بعد یا عید کے پہلے یا عید کے بعد یا عید کے پہلے یا عید کے بعد
 شوال کے پہلے یا عید کے بعد یا عید کے پہلے یا عید کے بعد یا عید کے پہلے یا عید کے بعد یا عید کے پہلے یا عید کے بعد
 کے روزوں کا تو ان روزوں کو متفرق رکھنا افضل ہے اور اگر متواتر چھ روز متواتر رکھ لیا
 حرج نہیں

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعْدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ مَلَكَ نَفْسًا فَارْتَضَاهَا فَفِيهَا لَهَا أَجْرٌ مِثْلُ بَرٍّ عَسَلٍ

” اس میں کوئی شک نہیں کہ جو لوگ تیری بیعت کر رہے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔ تو راب (جس نے یہ عہد توڑا، تو اس نے صرف اپنی جان رکے وبال) پر عہد توڑا اور جس نے ایفا کی وہ بات، جس کا عہد اس نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے جلدی اجر عظیم دے گا۔“

یہ قصاص عثمانؓ لینے کا عہد تھا، جس کے بارہ میں فرمایا کہ جو اسے توڑے گا، اس کا وبال اس کی جان پر پڑے گا اور جو اسے ایفا کرے گا۔ وہ اللہ تعالیٰ سے اجر عظیم پائے گا۔ اسی بنا پر تمام صحابہ کرام قصاص عثمانؓ پر متفق تھے۔ اختلاف صرف یہ تھا کہ ایک گروہ یہ چاہتا تھا کہ قصاص عثمانؓ کو جملہ امور پر فوقیت دی جائے اور قاتلان عثمانؓ کو فوراً کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ جبکہ دوسرے گروہ کی یہ رائے تھی کہ فوراً قصاص لینا عملاً ممکن نہیں۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت دنیائے اسلام کی مظلوم ترین شہادت ہے۔ نہ صرف یہ کہ آپ کو ۸۳ سال کی عمر میں کسی دن مجھو کے پیاسے رکھ کے عین اس وقت شہید کیا گیا، جب قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے۔ بلکہ اسلام کے دشمنوں نے ایک سازش کے تحت آپ کی کردار کشی کی مہم بھی شروع کر دی، جس کا شکاکی مطلق اور مورخ بھی ہوئے۔

حضرت عثمانؓ مکہ معظمہ کے ایک متمول اور معزز گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ آپ ابتدائے اسلام ہی میں اپنے دوست اور ہم جلس حضرت صدیق اکبرؓ کی ترغیب سے ایمان لائے۔ اسلام قبول کرنے والوں میں آپ کا پانچواں نمبر ہے۔ آپ کو یہ منفرد فخر حاصل ہے کہ حضور اکرمؐ نے اپنی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہؓ اور حضرت کلثومؓ کے بعد دیگرے آپ کے نکاح میں دیں اور اس نسبت سے آپؓ النورین

کہلائے۔ آنجناب آپ کے طرزِ عمل سے اس قدر خوش تھے کہ اپنی دوسری صاحبزادی کے فوت ہونے پر آپ نے فرمایا کہ اگر میری کوئی اور بیٹی شادی کے قابل ہوں، تو میں اسے بھی عثمانؓ کی زوجیت میں دے دیتا۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر حضورؐ نے حضرت عثمانؓ کو اہل مکہ سے بات چیت کے لئے اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ جب حضرت عثمانؓ کی واپسی میں تاخیر ہوئی اور یہ مشہور ہوا کہ آپ کو شہید کر دیا گیا ہے، تو جناب رسول پاکؐ نے آپؓ کا قصاص لینے کے عہد پر بیعت لی اور اس دوران اپنا دوسرا ہاتھ بیعت لینے والے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا کہ یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اس بیعت میں شامل ہونے والوں پر اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ نیز فرمایا کہ ان کے ہاتھوں کے اوپر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔ اسی نسبت سے یہ بیعت، بیعتِ رضوان کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ کے قصاص کے لئے مرنے مارنے کی قسم کھانا، اللہ تعالیٰ نے بہت پسند فرمایا۔

جلشہ کی طرف مسلمانوں نے جو پہلی ہجرت کی تھی، اس میں حضرت عثمانؓ اور آپؐ کی زوجہ محترمہ حضرت رقیہؓ شامل تھیں۔ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے بعد حضرت عثمانؓ نے مسلمانوں کے لئے ہر موقع پر اپنا مال بے دریغ خرچ کیا۔ مدینہ منورہ میں طے پانی کا جو ایک کنواں تھا۔ اسے خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔ مسجد نبویؐ کی

توسیع میں حصہ لیا۔ اسلام کی ترقی و شادابی کے لئے ہر موقع پر دل کھول مالی امداد دی۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؐ کی ان دینی خدمات کی بنا پر آپؐ کو جنت کی بشارت دی۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

میرزا محمد رفیع صاحب دکنی

تہذیب و تمدن کا نقشہ

[illegible][illegible]

کہ یہ علماء بھی عبد الوہاب نجدی کے متعلق اچھا خیال نہیں رکھتے۔ اس سلسلہ میں ہماری گزارش

صورتِ احسن تہیہ کیا کہ اللہ تعالیٰ فرمادے کہ جو کچھ غلامِ شامی نے لکھا ہے اس پر وہ سب کچھ کے پیر کا وہ بیٹا ہے جس نے علامہ شامی کی کتاب کو لکھ کر علامہ شامی کے کچھ زائد ہی لکھا ہے۔ (۵۵ ص ۱۸۱)۔

۱۱۔ مولانا ابوالخیر محمد شمس الدین علیہ السلام نے علامہ شامی کے کتب میں بہترین •
عبد الوہاب نجدی کی کتب اور کتبِ فاضلہ شامی کی کتب کا حکم دیا ہے اس کے کوئی ایک و تحالہ کے
مقدمہ میں علامہ شامی کی کتابوں کی فہرست ہے۔ ان کی فہرست میں علامہ شامی کی کتابوں کی فہرست ہے۔
اس کی دہائی کی کتابیں ہیں جن کی فہرست ہے۔ ان کی فہرست ہے۔ ان کی فہرست ہے۔ ان کی فہرست ہے۔
پر مولوی اشرف علی تھانوی کی علامہ شامی کی کتابوں کی فہرست ہے۔ ان کی فہرست ہے۔ ان کی فہرست ہے۔
محمد ابن عبد الوہاب نجدی کی کتب کا حکم دیا ہے۔ ان کی فہرست ہے۔ ان کی فہرست ہے۔ ان کی فہرست ہے۔
شامی کی کتب کا حکم دیا ہے۔ ان کی فہرست ہے۔ ان کی فہرست ہے۔ ان کی فہرست ہے۔ ان کی فہرست ہے۔
۱۲۔ مولانا ابوالخیر محمد شمس الدین علیہ السلام نے علامہ شامی کے کتب میں بہترین •
صاحب مدنی صدر المدرس مدرسہ دیوبند فرمایا ہے کہ میں نے علامہ شامی کی کتابوں کی فہرست •

• محمد بن عبد الوہاب نجدی کی کتب کا حکم دیا ہے۔ ان کی فہرست ہے۔ ان کی فہرست ہے۔ ان کی فہرست ہے۔
میں اور ان کے قبل و اقبال کے کتب کا حکم دیا ہے۔ ان کی فہرست ہے۔ ان کی فہرست ہے۔ ان کی فہرست ہے۔
ہے۔ محمد بن عبد الوہاب نجدی کی کتب کا حکم دیا ہے۔ ان کی فہرست ہے۔ ان کی فہرست ہے۔ ان کی فہرست ہے۔
• انجمنی اور اس کے آباء کی کتب کا حکم دیا ہے۔ ان کی فہرست ہے۔ ان کی فہرست ہے۔ ان کی فہرست ہے۔
فقط ایک کتاب کا حکم دیا ہے۔ ان کی فہرست ہے۔ ان کی فہرست ہے۔ ان کی فہرست ہے۔ ان کی فہرست ہے۔
میں برائے میں۔ ان کی فہرست ہے۔ ان کی فہرست ہے۔ ان کی فہرست ہے۔ ان کی فہرست ہے۔

کو ثابت ہے۔ ان کی فہرست ہے۔ ان کی فہرست ہے۔ ان کی فہرست ہے۔ ان کی فہرست ہے۔

زیارت رسول مقبول علیہ السلام و حضورِ آستانہ شریفہ علیہ السلام کو یہ

حاکم بدعت حرام لکھا ہے۔ اس کی طرف اس کی فہرست ہے۔ ان کی فہرست ہے۔ ان کی فہرست ہے۔

تشدد و الوحال الا انہی یثبتونہا۔ ان کی فہرست ہے۔ ان کی فہرست ہے۔ ان کی فہرست ہے۔

زیارت کو معاذ اللہ تعالیٰ زنا کے درجہ کو پہنچاتے ہیں۔ اگر مسجد نبوی میں جاتے ہیں تو صلوٰۃ
و السلام ذات اندس نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہیں پڑھتے اور نہ اس طرف متوجہ ہو کر
دعا وغیرہ مانگتے ہیں۔ (رجوم المذنبین ص ۵۵)

● شان نبوت و حضرت رسالت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں وہابیہ نہایت گستاخی
کے کلمات استعمال کرتے ہیں اور اپنے آپ کو مثل ذات سرور کائنات خیال کرتے ہیں۔
اور نہایت تھوڑی سی فضیلت زمانہ تبلیغ کی مانتے ہیں۔ اور اپنی شفاعت قلبی و ضعف
اعتقادی کی وجہ سے جانتے ہیں کہ ہم عالم کو ہدایت کر کے راہ پر لارہے ہیں۔ ان کا خیال
ہے کہ اب رسول مقبول علیہ السلام کا کوئی حق ہم پر نہیں اور نہ کوئی احسان اور فائدہ ان
کی ذات پاک سے بعد ذات اول کو ناجائز کہتے ہیں۔ ان کے بڑوں کا مقولہ ہے۔ معاذ اللہ معاذ اللہ
نقل کفر کفر نباشد کہ ہمارے ہاتھ کی لامٹھی ذات سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہم کو
زیادہ نفع دینے والی ہے۔ ہم اس سے کتے کو بھی دفع کر سکتے ہیں اور ذات فخر عالم سالار
علیہ السلام سے تو یہ بھی نہیں کر سکتے۔ (رجوم المذنبین ص ۵۶)

● وہابیہ کسی خاص امام کی تقلید کو شرک فی فی الرسالۃ جانتے ہیں اور المذابحہ اور ان
کے مقلدین کی شان میں الفاظ وہابیہ خبیثہ استعمال کرتے ہیں اور اس کی وجہ سے بہت
سے مسائل میں وہ گروہ اہل سنت والجماعت کے مخالف ہو گئے۔ چنانچہ غیر مقلدین ہند
اسی طائفہ شیعہ کے پیرو ہیں۔ وہابیہ نجد عرب اگرچہ بوقت اظہار و دعویٰ حبیب و سنے کا اقرار
کرتے ہیں۔ لیکن عمل و آداب ہرگز جملہ مسائل میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب
پر نہیں ہے بلکہ وہ بھی اپنے فہم کے موافق جس حدیث کو مخالف فقہ جناب خیال کرتے ہیں
اس کی وجہ سے فقہ کو چھوڑ دیتے ہیں۔ ان کا بھی مثل غیرین ہند کا براہ امت کی شان میں الفاظ
گستاخانہ و بے ادبانه استعمال کرنا معمول رہا ہے۔ (رجوم المذنبین ص ۵۷)

● وہابیہ سوائے علم احکام و الشرائع جملہ علوم اسرار حقانی وغیرہ سے ذات سرور کائنات خاتم
النبین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فانی جانتے ہیں۔ (رجوع المذنبین ص ۸۲)

• دبا یہ نفس ذکر ولادت حضور سرور کائنات ﷺ والسلام کو قبح و بدعت کہتے ہیں اور علیٰ ہذا القیاس اذکار ادیاء کرام رحمہ اللہ تعالیٰ کو بھی بھلا سمجھتے ہیں درجہ المذنبین صحت اب یہ بات پر دغیر مذکور سے پوچھیے کہ علامہ شامی تو معری حکومت کے ایجنٹ تھے۔ بریلوی علامہ انگریز کے ایجنٹ تھے۔ جنہوں نے نجدی کو بدنام کیا اور اس کے خلاف ایک محاذ قائم کر دیا۔ مگر ذرا اس پر بھی روشنی ڈال کر مشکور فرمائیے۔ مولوی الود شاہ کشمیری، دیوبندی، مولوی خلیل احمد امیٹی اور مولوی اشرف علی تھانوی اور آپ کے شیخ الحدیث مولانا حسین احمد مدنی کس کے ایجنٹ تھے جنہوں نے محمد بن عبد الوہاب نجدی کو خارجی گمراہ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں گستاخی کرنے والا اور عقیدہ ائمہ کو شرک قرار دینے والا قرار دیا ہے۔

بات یہ ہے کہ جو بات حق ہوتی ہے وہ اپنی حقانیت کی وجہ سے بہر حال زبان و قلم پر آہی جاتی ہے۔ دیوبندی مسلک کے لوگ دجیسے پروفیسر روجی وغیرہ عبد الوہاب نجدی کی گمراہی و بے دینی پر پردہ ڈالتے کے لیے خواہ کتنی ہی گلیاں کیوں نہ بدلیں دیوبندی مکتبہ فکر کے اکابر کی تحریرات ان کا ناطقہ بند کر دیتی ہیں۔ بہر حال یہ حقیقت ہے کہ محمد ابن عبد الوہاب نجدی کو دیوبندی علامہ نے گمراہ و بے دین ہی قرار دیا ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ اہلسنت و جماعت بریلوی مکتبہ فکر کے مقابل آج کے دیوبندی اپنے اکابر کی تصریحات کے خلاف نجدی کی تعریف کرتے ہیں۔

دین | حقائق عبادات - معاملات - اخلاق و معاشرت سے
مصلحت | متعلق کتب و سنت کی روشنی میں احکام اسلامیہ
کو ہے نظیر گنجینہ زندگی میں پیش آنے والے سنت و سنن
کا بڑا تالیف متعلق اسلامی تعلیمات کا قابل مطالعہ مجموعہ

۲۵ روپے

بعض اہم سوالات کے جوابات

ربو کی تعریف | مستند بہت تفصیل طلب مسئلہ ہے۔ مختصر جواب یہ ہے۔

اہل زبان ربا کے لفظ کو کسی چیز کے بڑھنے۔ زیادہ ہونے کے معنی میں استعمال کرتے ہیں (قاموس لسان العرب) واضح ہوا کہ ہر زیادتی خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر۔ لغت عرب میں ربا ہے۔ اسی لغوی مفہوم کے پیش نظر فقہاء اسلام نے ربا کی شرعی تعریف یوں کی ہے۔

السربا شرعاً فمثل خال عن
عوض بمعیار شرعی وهو الکیل
والوزن، مشروط للاحد المتعاقدا
یعنی ہر وہ زیادتی جو کسی عوض کے
بغیر ہو اور معاوضہ میں ایک
فریق کے ساتھ مشروط ہو۔

فی المعاوضة - تنویر البصائر ص ۴۷

قرآن مجید نے اہل ایمان کو حکم دیا کہ وذرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا - جو ربا باقی رہ گئی ہے۔ اسے چھوڑ دو۔ یہ حکم مطلق ہے۔ اس میں یہ قید نہیں ہے کہ ربا تھوڑا ہو تو لے لو اور زیادہ ہو تو چھوڑ دو۔ اس میں یہ قید بھی نہیں ہے کہ کاروباری قرضوں پر تو سود لے لو اور ذاتی اور شخصی ضروریات کے لئے جو قرض دیا گیا ہے۔ اس کا سود معاف کر دو بلکہ حکم مطلق ہے کہ خواہ کسی بھی غرض کے لئے قرض دیا گیا ہو اس پر سود لینا حرام و ناجائز ہے۔

قسم کا کفارہ | قسم توڑنے کا کفارہ غلام آزاد کرنا، یا دس مسکینوں کو کھانا کھانا

یا دس کو کپڑے پہنانا ہے۔ اتنا کپڑا کہ اس کے عام بدن کو ڈھانپ دے۔ صرف پاجامہ کا کپڑا دینا کافی نہ ہو گا۔ اگر یہ بھی نہ کر سکے تو لگاتار تین روزے رکھ لے۔ (عام کتب فقہ)

زکوٰۃ نہ ادا کرنے کی سزا | اس کی فضیلت

کامنکر کافر ہے۔ یہی اخروی سزا تو کتاب و سنت میں زکوٰۃ نہ ادا کرنے والے کے لئے سخت و شدید وعید آئی ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا۔ اور اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو قیامت کے دن اس کے مال کو گننے سانپ کی صورت میں بنا دیا جائے گا۔ جس کی آنکھوں پر دو کالے نشان ہوں گے اور وہ اس کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا۔ پھر وہ اس کی دونوں باجھیں پکڑ کر کہے گا میں تیرا مال ہوں۔ میں تیرا خزانہ ہوں۔ پھر آپ نے راستدلال سورہ آل عمران کی یہ آیت پڑھی۔ جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے مال دیا ہے اور وہ اس میں سخیلی کرتے ہیں تو یہ سخیلی اپنے لئے بہتر نہ سمجھیں۔ بلکہ ان کے حق میں بری ہے جس کے لئے سخیلی کرتے تھے۔ وہ مغرب قیامت کے دن ان کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا۔

کوئے متعلق | ہمارے شہروں میں جو کالا کوا جسے زاغ معروف سے موسوم کیا جاتا ہے حلال نہیں۔ قرآن سے اس کی حرمت کو ثابت کرنے کا مطالبہ جہالت ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ کتے کے حرام ہونے کا ثبوت قرآن سے دو؟ حدیث میں

کوئے کو خبیث قرار دیا گیا ہے۔ میرا مشورہ آپ کو یہ ہے کہ دیوبندی مکتبہ فکر کے علماء کوئے کو حلال قرار دے کر اسے رغبت سے کھاتے ہیں تو آپ انہیں کوئے کھاتے دیں۔ بالجرور کئے کی ضرورت کیا ہے۔ اپنا اپنا ذوق ہے۔ کسی کو حلال جانوروں کا گوشت پسند ہے اور کس کو کوئے جیسے نجاست خور خبیث جانور کا گوشت۔

سوال :- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ (نعوذ باللہ) آپ مرکز مٹی میں مل گئے ہیں۔ آپ ہمارے جیسے ہیں اور آپ کی قبر انور سب سے

بڑا بت ہے۔ اس شخص کے بھیے نماز جائز ہے یا نہیں۔ شریعت میں اس کا کیا حکم ہے۔ ایسا شخص سخت گمراہ و بے دین ہے۔ اس کو امام بنانا گناہ اور اس کی افتراء میں نماز ادا کرنا باطل محض ہے۔

ذات بدلتا ہمارا طریق تبلیغ نفس مسئلہ کا اظہار و بیان ہے۔ نام لینا خصوصاً اس معاملہ میں ہم اس لئے مناسب نہیں سمجھتے کہ ضد و خداد کی فضا پیدا ہوئی ہے۔ بہر حال مسئلہ یہ ہے جو شخص واقعی سید نہیں ہے اور پھر اپنے کو سید کہلاتا یا کہلاتا ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ من ادعی الی غیرہ (بخاری و مسلم) جو اپنے کو غیر باپ کی طرف منسوب کرے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی اس کے فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ لا یقبل منہ صوف ولا عدل ایسے جرم کے مرتکب شخص کے صرف و عدل بارگاہ الہی میں قبول نہیں۔ صرف سے شارحین نے فرائض شفاعت، توبہ اور عدل سے نوافل۔ فدیہ گناہ مراد لئے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ جو واقعی سید نہیں پھر اپنے کو سید کہے تو اس کے فرض و نفل و توبہ۔ بارگاہ الہی میں قبول نہیں اور شفاعت سے بھی محروم رہے گا۔ اتنی شدید وعید سن کر تو مومن کا دل لرز جاتا ہے۔

بکھنور رب العالین اے اپنے مجبور بندوں کی آخری امید گاہ مشکلات کے اندھیروں اور مصائب و آلام کے طوفانوں نے گھیر رکھا ہے۔ اپنی رحمتوں کے سہارے منزل مقصود تک پہنچا دے۔ اے کارساز عالم اپنے مقدس رسول اور طیب و طاہر معصوم محبوب کی شاداب تجلیوں اور چمکتے ہوئے نورانی تلواروں کے صدقے ہمارے رستے ہوئے زخموں اور بھیگی ہوئی ہلکوں پر رحم فرما دے۔ ہمیں ایمان و اخلاص کی دولت عطا فرما۔ اپنے اور اپنے مقدس رسول کی اطاعت و اتباع کی توفیق رفیق دے۔

بریلوی حضرات کے اکابر سے

رسالہ ابلاغ کراچی کے مدیر محمد تقی عثمانی صاحب نے مذکور بالا عنوان سے ایک ادارہ رقم کیا ہے جسے دیوبندی مکتب فکر کے تقریباً تمام رسائل نے خصوصی طور پر ابلاغ سے نقل کر کے چھاپا ہے۔ ادارہ ایک اپیل کی شکل میں ہے خلاصہ اس کا صرف یہ ہے کہ کفر والحاد کی تمام طاقتیں نفس اسلام کی بنیادوں پر حملہ آور ہیں۔ نئی نسل کے ذہنوں سے خدا و رسول دین و مذہب قیامت و آخرت ہی کے تصور سے بے گانہ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ مگر افسوس بریلوی حضرات کے ماہنامہ رسالے علماء دیوبند کے خلاف ناقابل برداشت مواد شائع کر کے اسلام دشمن طاقتوں کو قوت پہنچا رہے ہیں۔ گفتگو کسی موضوع پر ہو بلاخر اس کی تان علماء دیوبند کی مخالفت بلکہ دشنام طرازی اور تکفیر و فسق پر توڑی جاتی ہے اور یہ کہ بریلوی حضرات کی علماء دیوبند پر تنقید سے اسلام کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے۔ ان کے اس طرز عمل کا نتیجہ اس دور میں تبسا ہی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

(شمس الاسلام مجیدہ اکتوبر ۱۹۷۶ء)

یہ ہے ابلاغ کے ادارہ کا خلاصہ جسے مدیر ابلاغ نے انتہائی چالاکی اور چابکدستی کے ساتھ اس انداز میں پیش کیا ہے کہ جیسے ظلم تو صرف بریلوی ہیں۔ ورنہ دیوبندی حضرات کو دین کے دیگر اہم کاموں میں ایسی مصروفیت ہے کہ انہیں اس قسم کی باتوں پر تنقید و تبصرہ کی فرصت کہاں؟

بات اگر واقعی خلوص و دیانت سے کہی جائے تو وہ ضرور اثر دکھاتی ہے۔ لیکن اگر دل میں جماعتی تعصب رکھ کر جیو اور جینے دو کے مضمون کو حسین و جمیل الفاظ کی بندشوں

کے ذریعہ پیش کیا جائے تو وہ بالکل بے اثر ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دیوبندی مکتب فکر مدین کے ہم مسلک دوسرے مکاتب کی یہ قدیمی عادت ہے کہ اپنے جارحانہ

انداز اور مسلمانوں کو بات بات پر مشرک اور بدعتی قرار دینے کے فتوؤں کے باوجود اتفاق کا ازام بریلویوں ہی کے سر دھرتے رہتے ہیں۔ مجھے حیرت بھی ہے اور افسوس بھی کہ لائل پور کے جریدہ المنیر کے مدیر جن کی تحریر و تقریر عموماً غیر جانب دارانہ ہوتی ہے۔ انہوں نے بھی اس سلسلہ میں جو اپیل المنیر میں شائع کی اپنے دامن کو جانب داری سے نہ بچا سکے صرف زلزلہ ایسی کتابوں کا تو حوالہ دے دیا مگر دیوبندی مکتبہ کے حالیہ شائع کردہ متعدد جارجانہ انداز کے مضامین و جرائد و رسائل و کتب کا نام تک نہ لیا۔

رہے مدیر ابلاغ تو ان کی اپیل تو سرتاپا نیک نیتی پر مبنی تھیں ہے۔ بلکہ انہوں نے اتفاق و اتحاد کی اپیل کے پردہ میں زبردست چیلنج دیا ہے کہ بریلویوں باز آ جاؤ، ورنہ ہم بھی خم ٹھوک کر میدان میں مقابلہ کے لئے آجائیں گے۔ ان کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

ہم نے اور ہماری طرح اکابر دیوبند سے وابستہ دیگر رسائل و جرائد نے ابھی تک اس صورت حال کا نوٹس نہیں لیا اس کے باوجود اگر بریلوی مکتب فکر کے اکابر علماء اس طوفان کو روکنے کے بجائے ان لوگوں کی بالواسطہ یا بلاواسطہ حوصلہ افزائی کرتے رہیں گے، جو شیشہ کے مکان میں بیٹھ کر دوسروں پر پتھر برسائے ہیں، تو پھر دوسرا فریق بھی یقیناً اس بات پر مجبور ہوگا کہ وہ کچھ عرصے کیلئے دوسرے اہم کاموں کو ملتوی کر کے اس مسئلہ کو نمٹائے۔

(شمس الاسلام ص ۲۲)

غور کیجئے (جو شخص خواہ کسی بھی مکتب فکر سے متعلق ہو، مگر ملت کی بھلائی کا درد رکھتا ہو وہ اتفاق و اتحاد کی اپیل کا یہ انداز اختیار کر سکتا ہے؟

میری اس تحریر پر تنقید و تبصرہ بمعنی مکایرہ و مجادلہ کی بہت گنجائش ہے مگر انصاف و دیانت بھی کوئی چیز ہے یا نہیں۔ کیا کوئی عقل و خرد کا مالک یہ کہہ سکتا ہے۔ تالی دونوں ہاتھوں سے نہیں ایک ہاتھ سے بچتی ہے؟

پھر مدیر ابلاغ کا یہ فرمانا کہ بریلوی ماہنامے علماء دیوبند کے خلاف ناقابل برداشت

نوٹس لوں یہ ارادہ بھی نہیں ہے کہ اس بحث کو طول دیا جائے۔ رضوان کے فائل گواہ ہیں کہ ہم جس بات کو کتاب و سنت کی روشنی میں حق سمجھے ہیں مثبت انداز میں اسے پیش کر دیتے ہیں۔ سب دشتم اور افترا پردازی جارحانہ انداز سے اپنے دامن کو بہر حال بچاتے ہیں۔

اپنے موقف کے ثبوت کے لئے بھی صرف اہل حدیث لاہور اور خدام الدین لاہور کی تحریر کے چند لفظ لکھ دیئے ہیں۔ تاکہ انصاف و دیانت سے کسی بات پر غور کرنے والوں پر اصل صورت حال منکشف ہو جائے۔ مدیر البلاغ سے بھی گزارش ہے کہ اگر آپ اپنی اپیل میں مخلص ہیں تو خدا خوفی کے ساتھ اس پر غور و فکر فرمائیں اور اپنے ہی الفاظ شیشے کے مکان میں بیٹھ کر اپنے ہم مسلکوں کے شہتیر بھی ملاحظہ فرمائیں کیونکہ شیشہ کے مکان میں بیٹھ کر تو تمکا بھی نظر آ جاتا ہے۔

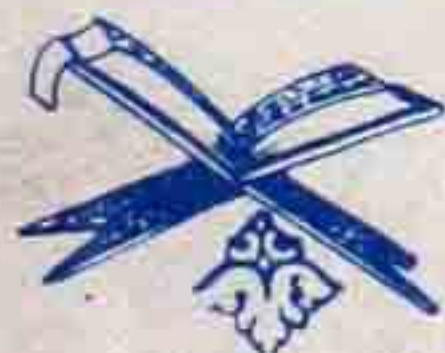


دینِ مصطفیٰ

تالیف
علامہ سید محمود احمد رضوی

عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق
معاشرت سے متعلق قرآن و حدیث اور
فقہ حنفی کی روشنی میں اسلامی تعلیمات کا
قابل مطالعہ مجموعہ

عَلَيْهِمُ التَّحِيَّاتُ وَالتَّلَاتُ



نماز - روزہ - حج - زکوٰۃ اور زندگی میں پیش آنے والے
بت نئے مسائل سے متعلق احکام شرعیہ کا بے نظیر
گنجینہ - بچوں، جوانوں، مستورات، کالج و سکول
کے طلباء و طالبات کے لئے دینیات کی اسان اور
عام فہم کتاب ایک ایسی کتاب جو زندگی کے ہر موڑ
پر آپ کی رہنمائی کرے گی۔ اس کتاب میں حضور
علیہ السلام و خلفائے راشدین و ازواجِ مطہرات کی مکمل
سوانح حیات بھی درج ہے۔ کتابت و طباعت افسٹ، کاغذ

ولایتی، صفحات ۵۰۰، ہدیہ مبلغ ۲۱ روپے بذریعہ منی آرڈر

بھیج کر مکتبہ رضوان کتب خانہ لاہور سے